سیستان و بلوچستان

ایک تعارف

ناصر عسکری

مترجم غوث بخش صابر

سیستان و بلوچستان

(ایک تعارف)

ناصر عسکری

مترجم: غوث بخش صابرؔ

بلوچی اکیڈمی۔ کوئٹہ

مطبوعہ نمبر ۱۷۷

درستیں حق پہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ءَ

اے کتاب بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ءِ اجازہ ءَ ابید نہ بدل کنگ بیت نہ اے رنگ ءَ کہ چھاپ وشنگ بوتہ۔ کسے چھاپ وشنگ کت کنت۔ ایشی تہا مٹ و بدل آرگ یا دگہ کونا پیسرءَ چھاپ کنگ ببیت چہ بلوچی اکیڈمی ءِ اجازہ ءَ بوت کنت

سری چھاپ ۱۹۹۶

بہا -/۲۰۰ کلدار

چھاپ جاہ بولان مسلم پریس کوئٹہ

فہرست مندرجات

نمبر شمار		صفحہ
۱	پیش لفظ	الف۔ب
۲	چند معروضات	۳
۳ ـ	باب اول	
	سیستان و بلوچستان طبیعی و جغرافیائی جائزہ	۶
۴ ـ	حدود وسعت اور آبادی	۷
	آب و ہوا	۸
	ساحلی علاقے	۱۰
۵	ہوائیں (باد سیاہ)	۱۲
	باد شمال)	۱۶
	طبعی نقشہ	۱۷
	ندیاں اور دریا	۱۸
۶	باب دوم ـ وجہ تسمیہ	۳۳
	شہرستان (ڈویژن)	۳۶
	اہل بلوچستان نسلاً	۳۹
۷	باب سوم	
	شہروں کا اجمالی تذکرہ	۵۵
۸	باب چہارم	
	بلوچستان کی تاریخ کا جائزہ	۷۵
	تاریخ سیستان ایک نظر میں	۸۷
۹ ـ	ایران کی مشرقی سرحدات کے تعین میں انگریزوں کا عمل دخل	۱۰۱
۱۰	ذرائع آبپاشی	۱۲۴
۱۱	باب پنجم	
	بلوچوں کی اجتماعی معاشرت	۱۳۸
۱۲	مجموعی ثقافتی فکری عوامل	۱۴۳
	اقتصادی اسباب	۱۴۵
	مذہبی عوامل	۱۴۷
۱۳	باب ششم	
	بلوچستان میں بے اطمینانی	۱۵۷
	شمالی جنوبی بلوچ	۱۶۵
۱۳	ثقافت و قومی ورثہ	۱۶۶
	زبان و ادب	
۱۴	باب ہشتم	
	مقامی دستکاریاں	۱۸۶
۱۵	باب نہم	
	درآمدات و برآمدات	۱۹۴
۱۶	ماخذات و حوالہ جات	۱۹۶

تعارف

بلوچ پاکستان کے صوبہ بلوچستان، ڈیرہ غازیخان، ڈیرہ اسماعیل خان مظفر گڑھ، کشمیر، سندھ میں کثیر تعداد میں آباد ہے۔ پاکستان کے علاوہ ایران کے صوبہ سیستان و بلوچستان، افغانستان، کے صوبہ زابل اور خلیج فارس اور عرستان کے مختلف ریاستوں میں سکونت پذیر ہیں، جب کہ بھارت، روس، ترکمانستان —— میں بھی ان کی آبادیاں موجود ہے۔

بلوچوں کے مختلف علاقوں اور مساکن کے بارے میں اہل علم حضرات نے بعض تحقیقی کام کیا ہے اور کتابیں شائع کی ہیں۔ جو زیادہ تر پاکستانی بلوچوں سے متعلق ہیں۔ جب کہ بیرون پاکستان آباد بلوچوں کی تاریخ، تمدن، تہذیب و ثقافت اور وطن پر کوئی قابل ذکر تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔

ایرانی بلوچستان اور وہاں پر آباد بلوچوں کے سلسلے میں وہاں کی حکومت نے اپنے سیاسی مفادات کی غرض سے بعض رپورٹیں شائع کی ہیں۔ اگرچہ وہ بلوچ کی نسلی تفوق کی سخت ترین مخالف ہے۔ وہاں بلوچ اب بھی ناموافق حالات میں زندگی گزار رہے ہیں

سیستان و بلوچستان جسے ناصر عسکری صاحب نے فارسی زبان میں تحریر کرکے شائع کرائی ہے اس کتاب میں سیستان و

بلوچستان کا جغرافیہ۔ وہاں پر آباد بلوچ قبائل، ان کے رہن سہن اور رسم و رواج پر مبنی معلومات شامل ہیں۔ فارسی زبان کی ان کتابوں میں سے ہے۔ جو اس وقت نایاب ہیں۔ ایران کے صوبہ سیستان و بلوچستان پر ہمارے پاکستانی بلوچستان کی طرح پسماندگی کا جو ٹھپہ لگا ہوا ہے۔ وہ اب تک اپنی جگہ قائم ہے، کتاب کے مطالعے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ غربت ناخواندگی، نامساعد حالات کی وجہ سے کتنے ہی دیہات انسانی آبادی کو ترس رہے ہیں۔ جناب ناصر عسکری نے خود بھی دور شاہی میں اس علاقے کے لئے اختیار کردہ پالیسیوں سے اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا ہے ان کے قلم کی مہرافروز کاوش سے ہم سیستان و بلوچستان میں اپنے بلوچ بھائیوں کے حالات سے اس کتاب کے ذریعے آگاہی حاصل کر رہے ہیں

بلوچی اور اردو کے نامور ادیب اور شاعر محترم غوث بخش صابر نے اس کتاب کا فاضلانہ اردو ترجمہ کرکے بلوچی اکیڈیمی کی

علمی ادبی کاوشوں میں ایک کا اضافہ کر دیا ہے۔

جناب غوث بخش صابر بلوچی زبان و ادب کے میدان میں کسی تعارف کے محتاج نہیں کہ انہوں نے دو درجن کے قریب بلوچی اردو کتابوں کی تصنیف و تالیف کر کے اہل قلم کی صف میں اپنے لئے مؤثر مقام بنایا ہے۔ انہیں اپنی زبان اور سرزمین کی محبت نے یہ عزت بخشی ہے کہ لکھنے والوں کی صف میں وہ ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

عبدالقادر شاہوانی

۶ ر فروری ۱۹۹۶ء

چند معروضات

محمد رضا شاہ کے پر آشوب اور خونین دور میں ملی و قومی وحدتوں کو جس ناگفتہ بہ اور فاجعہ انگیز صورتحال سے سابقہ رہا اسے چھوڑیئے کہ یہ وحدتیں اس سے پہلے بھی ستم ہائے روزگار کے تابع رہی تھیں۔ شہنشاہیت و صیہونیت کے فشار کا شکار ہوتی آئی تھیں مگر اس دور میں ان قومیتوں کے علمی و ادبی سرمایہ کو جس تحقیر و تمسخر کا نشانہ بنایا گیا وہ پوری ملت پر ستم توڑنے کے برابر ہے۔ اگر ان کے ادب میں کہیں قومی تشخص کا رنگ ابھرا بھی اسے تجزیہ نگاری اور کمیونزم سے متہم کیا گیا۔

ان وحدتوں میں بلوچ قوم ایک مثال ہے جس پر ستم رسانی کی ایسی انتہا ہوئی کہ دورِ وسطیٰ کے مظالم بھی ان مظالم نے بھلا دیئے شاہ کے کاسہ لیسوں کی طرف زبان بندی اور بلوچستان میں ترقی و

خوشحالی کے پُر فریب نعرے بازی کی پالیسی کے باوجود یہاں کے عوام
اقتصادی بدحالی، نحوست و فلاکت کا شکار رہے ہیں۔ یہ پُر کا علاقہ
بدحالی، فاقہ مستی اور بدبختی کی علامت و معنی بنا رہا ہے۔ اس
کی مشقت و جفاکشی بدقسمتیوں کے ہاتھ سے قرنہا قرن سے رہی
رہی ہے۔

بلوچستان اب ایک ویرانے میں بدل چکا ہے۔ بلوچ کی اقتصادی
حالت تباہ اور بلوچی زبان مضمحل ہو چکی ہے۔ قومی نظام نے
اس سرزمین کو اس طرح محصور کر لیا ہے۔ کہ بلوچ اپنی رسم الخط
کی ابجد تک اختیار نہیں کر سکے ہیں۔

ایران کے عوام کے غم و غصے اور جدال کی پشت پر ایک
حصہ ملک سے الگ ہونے کا خواہاں ہونا بلکہ یہ اپنے مستقبل
کے اقتصادی خود مختاری پر منتج ہوا جو جمہوری اصولوں کی اساس
ہے تاہم بلوچ عوام اس صورتحال کے حامی ہیں کہ ان کی تقدیر
ایران کے ستم رسیدہ عوام کی تقدیر سے جدا نہیں۔
بلوچستان کا علاقہ ایسا نہیں کہ اسے ایران کے دوسرے

منطقوں سے علیحدہ کوئی علاقہ خیال کیا جائے۔ البتہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ باطل نظریہ صرف محمد رضا شاہی لغت میں مذکور و مرقوم ہے ورنہ عوام پر اس تہمت کا کوئی جواز نہیں۔

تاہم اس قوم کے ماضی کا تجزیہ اور اس کی قومی شناخت محمد رضا شاہی دور میں ارباب علم و معرفت بدقت و دشواری مرتب کر سکتے تھے بالفرض اس نوع کی تحقیق کا کوئی جزو اگر بصد حیلہ و مشکل شائع ہوتا بھی تو رسوائے زمانہ شاہی سنسر شپ اس کا متحمل نہیں تھا۔

یہ مجموعہ جو قارئین کے ہاتھوں میں ہے ایک ایسی ہی عالمانہ اور مفید کاوش ہے جو اُس تاریک دور میں تکمیل پذیر ہوئی۔ جو اب سیاہ کارناموں کے حامل بازیگروں کے سقوط کے بعد کتاب کی صورت میں اس قوم کی شناخت کا باعث ہے جو سالہا سال سے ظلم و جور کا شکار رہی ہے۔ شاید یہ اس سلسلے میں مفید ہو سکے۔

مترجم

باب اول

سیستان و بلوچستان کا طبیعی اور جغرافیائی جائزہ

۱۔ حدود

صوبہ سیستان و بلوچستان کے شمال میں صوبہ خراسان، جنوب میں دریائے عمان البحیرہ عرب، مشرق میں پاکستان و افغانستان کے ممالک، مغرب میں صوبہ کرمان و بنادر جزائر خلیج فارس واقع ہیں سیستان و بلوچستان کی ۱۱۸۰ کلومیٹر سرحد پاکستان و افغانستان سے ملتی ہے۔

الف۔ حدود بلوچستان

بلوچستان رقبے کے اعتبار سے ۱۵۵۰۰ مربع کلومیٹر پر ۲۴ تا ۳۰ درجہ عرض بلد شمالی، ۵۸ درجہ تا ۲۰ درجہ طول بلد شرقی نصف النہار گرینوچ پر واقع شمالاً سیستان و بوط شرقاً پاکستان ۵۸ درجہ تا ۲۰ درجہ طول بلد شرقی نصف النہار گرینوچ سے گھرا ہوا ہے طول میں ۵۶۰ کلومیٹر علاقہ سیاہ کوہ سے گوادر

کی بندرگاہ تک عرض میں ایرانشہر سے سرزمین پاکستان تک ۲۷۵ کلومیٹر ہے۔

ب) حدود سیستان

یہ منطقہ ۲۹ سے ۳۲ درجہ عرض شمالی اور ۶۰ سے ۶۲ درجہ طول شرقی کے درمیان گرینوچ کے نصف النہار میں واقع ہے شمال اور مشرق میں افغانستان، جنوب میں زاہدان کے شہری علاقے، مغرب اور شمال مغرب میں صحرائے لوط اور بیرجند کے شہری علاقوں سے گھرا ہوا ہے۔

سیستان کا رقبہ ۲۶۵۷۸ مربع کلومیٹر ہے

۲۔ وسعت

اس صوبے کی سرزمین ۱۸۱/۵۷۸ مربع کلومیٹر ہے یہ رقبہ انگلستان سے دوگنا، بلجیم کے ملک سے چھ گنا اور ایران کے ۱/۹ مجموعی رقبہ کے برابر ہے۔

۳۔ آبادی

سال ۱۳۵۵ شمسی (مطابق ۱۹۷۶ء) کی مردم شماری کے مطابق سیستان و بلوچستان کی بالغ آبادی، ۶۵۹۲۹ نفوس پر مشتمل تھی۔

بالغ آبادی کی اوسطاً شرح اس صوبے میں ۵٪ فیصد ہے جو

ایران کی مجموعی بالغ آبادی کی نسبت سے نہایت کم ہے ۔ بالغ آبادی میں کمی کی وجوہات والدین اور بچوں کی ہجرت کے دوران شرح اموات میں بیشی کہی جا سکتی ہے ۔اس کے علاوہ تحفظات میں خرابی اقتصادی پسماندگی اور بیروزگاری کے عوامل کا بھی اس صوبے کی بالغ آبادی کے ناموافق ہونا ہے۔

زیادہ سے زیادہ آبادی اس صوبہ میں ۳/۶ نفوس میں فی مربع کلومیٹر ہے جو ایران کی تقریباً ۱۲ نفوس فی کلومیٹر کے مقابلے میں انتہائی کم ہے ۔صوبے میں آبادی کے منتشر ہونے کی شکل یکساں نہیں ساحلوں اور مرکزی علاقوں کے بہت سے ایسے مقامات ہیں مجموعی اعتبار سے اس صوبے کی ۲۴ فیصد آبادی اقتصادی اعتبار سے فعال اور باقی ماندہ غیر فعال ہے یہ اعداد و شمار سال ۱۳۵۶ شمسی (مطابق ۱۹۷۷ء) کی رُو سے ہیں ۔

۴ ۔ بلوچستان کی آب و ہوا

آب و ہوا کے اعتبار سے بلوچستان متضاد علاقوں میں منقسم ہے ۔ شمالی علاقوں کی ہوا جیسے کہ زاہدان اور خاش وغیرہ ہیں بہ نسبت مجموعی جنوبی علاقہ جات معتدل تر ہے ۔ بارشوں کی سالانہ اوسط اس خطے میں ۲۵۰ سے ۱۵۰ ملی میٹر ہے یہ مقدار مختلف علاقوں میں مختلف ہے ۔صنیع الدولہ 'مراۃ البلدان میں بلوچستان کی آب و ہوا کے بارے میں یوں لکھتے ہیں[1] " بلوچستان کی ہوا تمام علاقوں میں خوشگوار ہے ۔البتہ مکران ماہِ اسد[2] میں ضرور گرم ہوتا ہے اور

---

[1] صنیع الدولہ ، مراۃ البلدان ۱۳۹۳ صفحہ ۲۶۷

[2] اسد ـ عقرب ، حمل ـ جوزہ فارسی مہینے جو افغانستان میں مروج ہیں

عقرب کے وسط میں برف پڑنا شروع ہوتی ہے۔ مکران میں موسم سرما دوسرے بلوچستانی علاقوں کے مقابلے میں خصوصاً ساحلی پٹی میں شدید نہیں ہوتا۔ ماہِ حمل میں شمال مغرب کی سمت سے تیز ہوا مسلسل تین ہفتوں تک چلتی ہے۔ جوزا کے مہینے میں زیادہ بارشیں ہوتی ہیں جو زراعت پیشہ لوگوں کے لئے کافی نقصان کا باعث بنتی ہیں اندرون بلوچستان شیر و ببر کم ہیں۔ البتہ سرحد پر کبھی کبھار نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس لگڑ بھگا، بھیڑیا اور گیدڑ ہر جگہ عام طور پر نظر آجاتے ہیں۔"

بحیثیت مجموعی آب ہوا کے اعتبار سے بلوچستان کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف، علاقہائے سرد و خوشگوار آب و ہوا،

یہ کوہ تفتان کے نواح و دامن کوہ کے علاقے ہیں۔ جہاں پہاڑی چشموں کا پانی بافراط جاری رہتا ہے۔ وہ پھل جن کو سرد ہوا راس آتی ہے۔ جیسے سیب گلابی، زرد آلو۔ کی اقسام پیدا ہوتی ہیں۔ علاوہ برایں آب ہوا کی موافقت جنگلی پودوں کو راس آئے تو جنگلوں میں پستہ اور بادام کے درخت بھی پائے جاتے ہیں۔ ہیں۔ مجموعی اعتبار سے کوہ تفتان کے اطراف و جوانب کی آب و ہوا بلوچستان کی خوشگوار ترین آب و ہوا ہے۔

(ب) معتدل آب ہوا کے علاقے

زاہدان اور خاش کو معتدل علاقوں میں محسوب کرنا چاہیئے۔ یہ دونوں علاقے اگرچہ صحرا کی گرم ہوا سے محروم ہیں اوسطاً دیکھا

جائے تو یہ علاقے خوش نصیب خطہ کہلاتے ہیں۔ اس علاقے کی راتیں نسبتاً سرد ہیں۔ راتوں کے مقابلے میں یہاں کے دنوں کا درجہ حرارت زیادہ ہوتا ہے۔ زاہدان سے ۱۰ سے ۱۲ ڈگری بلند ہے اس علاقے کی آب ہوا جیسے کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے رات دن گرمی کے باعث جان لیوا ہے یہ علاقہ وہی "مکران" یا بلوچستان ہے۔
ج: گرم سیر گرم سیر کا نواحی علاقہ (ایرانشہر، سرباز، نیک شہر، قصر قند، راسک اور سیفر دزآباد ہے۔ تاہم سراوان کے شہرستان کی (باستثنائے جالق و کوہک) آب وہوا زیادہ تر علاقوں میں معتدل ہے۔

د۔ ساحلی علاقے

یہ علاقہ گرم آب وہوا اور بخارات دریا کا حامل ہے۔ یہی گرم ہوا اور رطوبت کلی طور پر کا باعث بنتا ہے۔ وہ افراد جو اس خطے کے نہیں ان کے لئے اس کی آب وہوا مشکل اور ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ چاہ بہار، بلوچوں کے ساحلی ساکن تا میناب کو اس حصہ میں شامل سمجھنا چاہیئے

۵۔ سیستان کی آب وہوا

سیستان کی ہوا جو صحرائی نوعیت کی ہے نہایت گرم و خشک ہے۔ اکثر زابل کا درجۂ حرارت ۵۳ ڈگری سنٹی میٹر تک

جا پہونچتا ہے۔ ہنری فیلڈ لکھتے ہیں

"سیستان کی آب و ہوا بہت متغیر و متنوع ہے۔ صرف دو موسم ہوتے ہیں اس لئے کہ بہار و خزاں نہیں ہوتے۔ خرداد اور تیر ماہ (مئی۔ جون) نہایت گرم اور صبر آزما ہوتے ہیں"[۱]

چار موسم ہونے کی صورت میں سیستان کی موسمی کیفیت یہ ہے کہ خزاں معتدل اور سرما میں شدید سردی پڑتی ہے سردی کی شدت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب تیز ہوا بھی شامل ہو۔ دن رات میں درجہ حرارت خلاف معمول بڑھتا رہتا ہے اکثر اوقات ۴۴ درجہ سینٹی گریڈ سے متجاوز ہوتا ہے۔ رطوبت بارش کی نہ برسنے کی حالت میں بھی ۵/۸۲ ملی میٹر کو چھوتی رہتی ہے۔ ہواؤں کی وجہ سے جو اس علاقے میں چلتی ہیں ان کا رُخ معمول کے مطابق شمال مشرق سے جنوب مغرب کو ہوتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ان ہواؤں کا نام ۱۲۰ روزہ ہوا پڑا گیا ہے۔ جو خرداد مہینے (۲۲ مئی) سے شروع ہو کر شہریور ماہ (۲۳ اگست) کے آخر تک چلتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی ان ہواؤں کی رفتار ۸۰ سے ۱۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے ذرات اڑانے اور گرد و غبار بڑھانے کی وجہ سے یہ بہت ضرر رساں ہوتی ہیں۔

ان ہواؤں کی وجہ سے سطح زمین پر جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں خاص طور پہ ذروں اور کنکروں کا ہوا کے زور سے اڑ کر

---

[۱] ہنری فیلڈ۔ مردم شناسی ایران - مترجم عبداللہ فریار

زرعی علاقوں میں گرنے سے نہروں اور آبپاشی کے دوسرے ذرائع یا راستوں اور گذرگاہوں کو متاثر کرنے کے علاوہ زراعت کے ذرائع اور درختوں کے شگوفوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس علاقے کی آب و ہوا ایک طرح سے اس پر حکمران ہے جب کبھی سیلابوں کا زمانہ نہیں ہوتا۔ ایک سو بیس روزہ ہواؤں کی وجہ سے زمینوں کی نمی خشک ہو جاتی ہے اور زمین کی خشک پرتیں ہواؤں کے رحم و کرم پر اڑ کر نہایت نقصان رساں بنتی ہیں

۶۔ سیستان اور بلوچستان کی ہوائیں

الف۔ بادِ سیاہ

درجہ حرارت میں اختلاف اور شرق و غرب میں بلندیوں میں کمی بیشی سیستان کی تند و تیز ہواؤں کی وجہ سے معلوم و معروف ہے۔ ہیرمند[1] کے درّے سے جو گرد و غبار کا راستہ ہے۔ دشت و صحرا کی ہوائیں اسے سمیٹ کر مشرقی پہاڑی علاقوں تک پہونچاتی ہیں۔ موسم سرما میں ان ہواؤں کے نتیجے میں شدید و خشک سردی پڑتی ہے۔ گمان غالب ہے کہ انہی کی وجہ سے درختوں کے شگوفے جل جاتے ہیں۔ جل کر سیاہ پڑ جانے کی وجہ سے اس ہوا کو "سیاہ باد" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کبھی یہ ہوا موسم سرما میں ہفتوں طول کھینچتی ہے اسے "بادِ گاوکش" بھی

---

[1] ہیلمند

کہتے ہیں اس لئے کہ موسم سرما میں اس ہوا کے چلنے سے سردی کی شدت میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ ہامون کی جھیل اور چراگاہوں میں گڑھے جم جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مواشی خصوصاً گائیں جو چراگاہوں میں چر رہی ہوتی ہیں اور ان کا معمول ہے کہ شام ہوتے ہی ہامون جھیل سے تیر کر پار آ جاتی ہیں۔ مگر موسم گرما میں اس ہوا کے چلنے سے وہ ہلاک ہو جاتی ہیں۔ شدید تر موسم ہو جاتا ہے بلکہ یہ کہنا کہ سیستان میں ہوا ایک ثانیے کیلئے نہیں تھمتی زیادہ درست ہو گا۔ ان ہواؤں کا رخ مغرب سے مشرق کو ہوتا ہے۔ رہی وہ ہوائیں ہیں جن کو ۱۲۰ روزہ ہوا کہتے ہیں۔ یہ ہوا جیسا کہ قبلاً بتایا جا چکا ہے اول خرداد ماہ سے شہریور ماہ کے آخر تک چلتی ہے کہ کبھی کبھار اس کی رفتار ۱۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ جس سے مادی اور اقتصادی نقصانات سامنے آ جاتے ہیں۔ البتہ اس کے برخلاف موسم گرما میں یہ قابل برداشت ہے یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ان ہواؤں کی مدد سے مدتوں اور صدیوں سے سیستان میں چکیاں چلتی رہی ہیں۔ یہ سیستان کی قدامت کی نشانیاں کہلاتی ہیں۔ حدود العالم کے مولف سیستان کے باشندوں کے بارے میں لکھتے ہیں "اور انہوں نے اچھی چکیوں [ا] کو برباد کر دیا ہے"۔ سیستان کی موسمی ہوائیں جھیلوں اور دریاؤں کے اطراف کی ریت اڑا کر جنوبی اور مرکزی علاقوں میں منتقل کرتی ہیں اور موسم سرما میں ان جھیلوں اور دریاؤں کی جانب اس سیل کو لوٹاتی ہیں۔ غالباً اس سے گندم کی فصل ڈھانپ کر چھپ جاتی ہے۔

[ا] ڈاکٹر ابراہیم باستانی پاریزی۔ یعقوب لیث۔ اشاعت ابن سینا تہران ۱۳۴۲ شمسی صفحہ ۲۲

زمین کی تہوں کے پانی کی سطح بڑھ جاتی ہے جو حد رطوبت سے بڑھنے کے بعد زمین کی شور زدگی اور خشک کرنے کا موجب بن جاتی ہے جب بارشوں کے مقابلے میں رطوبت کی مقدار بڑھ جاتی ہے تو نمک کی مقدار بھی سطح زمین پر زیادہ ہو جاتی ہے۔

مکران میں پانچ قسم کی ہوائیں چلتی ہیں۔ ان ہواؤں کے حوالے سے لوگوں میں چند ایک اعتقادات بھی پائے جاتے ہیں۔

ا۔ نمبی یا جہل باد

(بادِ جنوب): سال کے تمام موسموں میں جنوب کی سمت سے یہ ہوا چلتی رہتی ہے جو اپنے ساتھ بہت بڑی مقدار میں رطوبت لئے ہوئے ہوتی ہے اس لئے کسانوں کے لئے نہایت مفید ہے اگر بارش کے ہمراہ چلتی رہے تو اس کی وجہ سے بارش کی مدت بڑھ جاتی ہے فنوج میں یہ ہوا زیادہ چلتی ہے اس کے باعث نہ صرف موسم گرما میں اس کا موسم خوشگوار ہوتا ہے بلکہ اس علاقے کی زرعی پیداوار قابل لحاظ ہوتی ہے

(ب) بادِ گاؤکش

یہ ہوا شمال مشرق کی طرف سے صرف موسم سرما میں چلتی ہے جو اپنے ہمراہ سیل پرور موسلا دھار بارش لاتی ہے تاہم موسم سرما میں کبھی کبھی شدت کی سردی کا باعث بنتی ہے۔ اگرچہ یہ سردی اور ہوا بھی مفید ہے یہ اس کے نام کی وجہ تسمیہ

یہ ہے کہ جب یہ ہوا چلتی ہے تو اس کے اثر سے گایوں کا چارہ نم آلود اور ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔ جس کے باعث گائیں بھوکوں مرنے لگتی ہیں۔ تاہم اس کی وجہ سے ایک قسم کی گھاس شدت باراں سے پیدا ہوتی ہے جو اس کی تعریف کا سبب[1] ہے۔

ج: ایران کی ہوا۔

یہ جنوب مشرق سے چلتی ہے اور سال کے تمام موسموں میں جاری رہتی ہے یہ ہوا موسم گرما میں خصوصاً خربوزوں کی تیاری کے موقع پر چلتی ہے۔ جس سے فضا میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور یہی ہوا اگر موسم سرما میں آئے تو بلاشبہ بارش برساتی ہے[2]

د: ہوشاک

اس ہوا کی کیفیت تقریباً بادِ گاؤکش جیسی ہے جو سال کے تمام موسموں میں چلتی ہے۔ مگر اس موذی ہوا سے یہاں کے باسیوں کی زحمت اور اضطراب میں اضافہ ہوتا ہے۔ موسم گرما میں ایسے جھلساتی ہے کہ کھجوریں پیڑوں سے خشک ہو کر گرنے لگتی ہیں چاول کی فصل کو اس سے بہت نقصان پہنچتا ہے کہ کھیتوں کا پانی

---

[1] محمد برقی، نظرے بہ بلوچستان، مطبوعات سپیدۂ تہران ۱۳۵۲ شمسی صفحہ ۱۵۰

[2]: ایضاً صفحہ ۱۵۰-۱۵۱ -

بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔ تالابوں ، نالوں کا پانی بھی اس سے سوکھ جاتا ہے۔ موسم سرما میں اس کی شدت سے درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ بارشوں کے موسم میں اس کے چلنے سے بادل چھٹ جاتے ہیں اس کا فائدہ صرف مشکیزوں کے پانی کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ طاقتور اتنی کہ مشکیزوں میں سرائت کر کے ان کے پانی کو بخارات میں بدل دیتی ہے[1]

د) بادشمال

مغرب کی جانب سے سارا سال چلتی ہے۔ ہوشاک ہوا کی طرح یہ بھی ضرر رساں ہے۔ مگر اس سے کم۔ چنانچہ اس کا نقصان اتنا محسوس نہیں ہوتا ایک دو ہوائیں اور ہیں۔ لوار یعنی لُو یہ گرم ہوا کہلاتی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ بادِ ایران دوزخ سے آتی ہے۔

اس سے جسم پر داغ آور آبلے پڑ جاتے ہیں۔ شاید یہ کہنا درست ہی ہے کہ یہ ہوا کافروں کے دیس سے آتی ہے اس سے مراد یہودی ہیں جنہیں کافر قرار دیا جاتا ہے[2]

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۰ - ۱۵۱ - [2] ۱۵۰ - ۱۵۱ ایضاً صفحہ ۱۵۲

طبیعی نقشہ ڈویژنل صدر مقام صوبہ سیستان و بلوچستان سال ۱۳۵۲ شمسی ۱۹۷۳ء

نمبر شمار	ڈویژنل ہیڈکوارٹر	آبادی	طول جغرافیائی	عرض جغرافیائی	اوسطاً بارش	اختلاف وقت (منٹ)	سطح سمندر سے بلندی	ایام برفباری
					سالانہ ملی میٹر		ملی میٹر	
۱	زاہدان	۱۱۸۵۵۹	- - -	- - -	۸۲	۲۶	۱۳۰۲	۲۸
۲	زابل	۱۲۶۰۲۰	۶۱ ۲۹ ۱۲	۲۱ ۱ ۲۵	۹۹	۲۰	۲۸۲	۲۵
۳	ایران شہر	۱۵۶۰۲۰	۶۰ ۲۲ ۲۵	۶۵ ۴۵ ۱۲	۱۰۲	۲۸	۵۶۶	۱
۴	سراوان	۸۲۰۵۸	- - -	- - -	۱۵۸	۲۸	۱۱۰۰	۵
۵	چاہ بہار	۸۶۰۹۱	۶۰ ۲۱ ۲۵	۲۵ ۱۳ ۲۵	۲۱۰	۲۲	۷	×
۶	خاش	۶۲۲۵۹	۲۱ ۱۰ ۲۵	۲۸ ۱۲ ۲۵	۱۵۰/۹	۲۶	۱۲۰۰	-
	ماخذ ادارہ قومی موسمیات							

۷۔ ندیاں اور دریا

سیستان و بلوچستان کی ندیوں میں چند ہی ہوں گی جن میں سارا سال پانی جاری رہتا ہو۔ سیستان کی ندیاں سیلابی ندیوں سے عبارت ہیں (مقامی اصطلاح میں خاش ندی) فرا ندی، رود بار، ہیرمند (ہیلمند) بلوچستان کی اکثر ندیوں کے نام علاقوں سے منسوب ہیں جیسے کہ بمپور، سرباز، کاجو، گزوک، ہودیان اوتنک، ماشکید (ماشکیل)، ریچ، نیک شہر گشت، میرجاوہ وغیرہ

الف: ہارندی

ہارندی بیرجند کی شمال مغربی بلندیوں سے نکلتی ہے اور ہامون جھیل میں جا گرتی ہے۔ یہ ندی سرما اور موسم بہار میں بھری رہتی ہے۔

(ب) ہیرمند ندی

جس طرح مصر کو زادۂ نیل کہا جاتا ہے اسی طرح سیستان کو زادہ ہیرمند (ہیلمند) کہا گیا ہے۔ اس ندی کا منبع اگر شرق میں نہ ہوتا۔ اس علاقے کی قسمت صحرائے لوط سے بہتر نہ ہوتی۔ ہیرمند ندی سیستان کی بیشتر اراضیات کو سیراب کرتی ہے۔ یہ ندی بابا لیغما رکابل کے مشرق میں مملکت افغانستان)

کی بلندیوں سے آتی ہے ۔ اس کی طوالت ۱۱۰۰ کلومیٹر ہوگی ۔ ہیرمند ندی سے بہت سی نہریں نکلتی ہیں ۔ جن کے نام یہ ہیں ۔

میاکینگی نہر، میکل، نیاتک، نہرآب، نہرشہران تمام انہار کا پانی سیستان کی زرعی اراضیات کو سیراب کرنے کے بعد ہاموں جھیل میں جاگرتا ہے ۔ ہیرمند کی ندی بند کمال خان نام کے ایک مقام سے جو اس سرزمین کے پار ہے نکل کر شمال کی طرف رُخ کرتی ہے ۔ کوہک بند پہونچ کر جو زابل شہر کے مشرق میں واقع خطہ افغانستان میں ہے راستہ بدل کر ایران میں داخل ہوتی ہے ۔ یہاں پہونچ کر سیستان اور پریان میں برابر تقسیم ہوتی ہے ۔ پریان ندی ۱۲ کلومیٹر ایران و افغانستان میں بہنے کے بعد افغانستان کی حدود سے ہوتی ہوئی ہاموں جھیل میں جاگرتی ہے ۔ جبکہ سیستان کے حصے کی ندی زرعی اراضیات کو سیراب کرتی ہوئی نہرآب کی شکل اختیار کرکے ہاموں جھیل میں گرتی ہے ۔ اس ندی کی راہ میں دو مقامات کوہک اور زہک میں دو بند باندھے گئے ہیں

ج: بمپور ندی

یہ ندی جو درحقیقت دریا ہے ، شمال مشرق میں ایران شہر کی بلندیوں سے آتی ہے اور دامن (بلوچی میں ڈمن) کے علاقے میں مغرب کی سمت مڑتی ہوئی دشت دلگان میں واقع مرداب جازموریان (حدِ فاصل صوبہ ہائے بلوچستان و کرمان) پہنچتی

ہے۔ اس ندی میں سال بھر پانی جاری رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ بمپور کا علاقہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ سیلاب کے دنوں میں جب ندی کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ زائد پانی جازموریان جھیل میں جو ایک دلدلی علاقہ ہے جا گرتا ہے۔ فیروز مرزا فرمانفرما اپنی کتاب سفرنامہ کرمان و بلوچستان کے صفحہ ۲۸ پر جھیل جازموریان کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اس جھیل میں پانی دو سے چار ماہ تک موجود رہتا ہے بعد میں رفتہ رفتہ تبخیر بن کر اڑ جاتا ہے اور جھیل خشک ہو جاتی ہے۔ ضلع بمپور میں اس ندی پہ ایک انحرافی بند باندھا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں کی حالت بہتر ہو گئی ہے بمپور کی سرزمین کلی طور پہ پانی کی فراہمی کے باعث زرخیز و شاداب ہے۔

۸۔ سیستان و بلوچستان کی جھیلیں:

۱۔ جھیل ہاموُن

ہامون کی جھیل زابل کے شمال مغرب میں ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ جس کی وسعت تقریباً ۱۸۰ مربع کلومیٹر ہے۔ ہامون سیستان دو دلدلی جھیلوں صابری جھیل اور پوزہ جھیل پر مشتمل ہے یہ دلدل ہاروت ندی، فراہ ندی، ہیرمند اور خاش ندیوں کی وجہ سے بنے ہیں۔ ان دلدلوں کے جنوب میں پشتوں کی وسیع زمین ہے۔ جسے نیزار کہتے ہیں۔ ندیوں میں سیلاب کے دنوں میں دونوں دلدل باہم مل جاتے ہیں۔ جس

سے ایک وسیع و عریض جھیل بن جاتی ہے ان کا اضافی پانی نالوں کی صورت میں آبپاشی کے لئے استعمال ہوتا ہے [1]

۲ جازموُریان جھیل

ایرانی بلوچستان کے مغرب میں، کوہ شاہسواران کے جنوب میں ۳۰۰ کلومیٹر طویل شرقاً غرباً اور ۱۰۰ کلومیٹر عریض جھیل، ھلیل ندی مغرب کی سمت سے اور بمپور ندی مشرق کی طرف سے اس میں آگرتی ہیں۔ لجن زار اور باتلاق کا نواح کئی کلومیٹر تک (خصوصاً نواح بمپور) سبزہ زار اور جھاڑیوں سے مملو ہے۔

۹۔ سیستان وبلوچستان کے پہاڑ

مکران کی سرزمین رقبہ اور آبادی کی کمی کے باوجود ایک پراسرار علاقہ ہے۔ فطرت نے جی کھول کر اس سرزمین کو نوازا ہے۔ دشوار گذار پہاڑی سلسلے اور ایک دوسرے میں ملے ہوئے پیچیدہ پہاڑ اس زمین کی باگ تھامے ہوئے ہیں۔ مرکزی جنوبی اور مشرقی کوہستانی سلسلے علاقہ مکران میں باہم آملتے ہیں۔ ایک نئے سلسلے، بلوچستان کا ایک بہت بڑا علاقہ پہلے زمانے میں پانی میں زیرآب رہا ہے وقت گزرنے کے ساتھ

---

[1] ۔ دائرۃ المعارف فارسی بہ سرپرستی غلام حسین صاحب ادارہ فرینکلین تہران ۱۳۴۵ھ صفحہ ۱۲۰۶

ساتھ یہ زمین پانی سے برآمد ہوئی اس کی شہادت چکنی مٹی کے اُن تودوں اور ٹیلوں سے ملتی ہے۔ جو بلوچستان کے ساحل پر میں دُور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ماہرین طبقات الارض کے نزدیک بلوچستان کے پہاڑ اپنی ساخت کے اعتبار سے دوسرے اور تیسرے دور کے ہیں۔ چونے کے پتھروں آتش فشانی کے نتیجے میں سیاہ پتھر اور جپسی کے پتھروں سے ان کی تعمیر ہوئی ہے۔ ان کے باعث دلفریب نظاروں کے ساتھ ساتھ وحشتناک کوہستانی مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ ان کی نظیر کہیں نہیں ملتی [۱]

الف: کوہِ تفتان:

یہ سلسلۂ کوہ ان بلند ترین پہاڑوں میں سے ہے جو کوہ بمپشت کے نام سے مکران کو چیرتا ہوا پنجگور کو الگ کرتا ہے اس پہاڑی سلسلے کی سب سے اونچی چوٹی کوہ تفتان ہے جس کی بلندی ۳۹۰۲ میٹر ہے۔ جس کے دامن اور نواح میں کبھی ایک درخشاں تمدن کو فروغ رہا جو اب صرف آثار میں پوشیدہ ملتا ہے۔ اس کے آثار سنگ مرمر کے وہ ٹکڑے ہیں جنہیں فاش میں مطالعہ کی غرض سے محفوظ کیا گیا ہے (اگر کوہ چلتن کے نام سے جو کوئٹہ کے قریب واقع ہے غلط فہمی نہ ہو تو) کوہ تفتان کوہ

[۱] ۔ محمد حسن گنجی ۔ ۳۲۰ مقالہ جغرافیائی مطبوعات ادارہ سحاب تہران ۱۳۵۳ صفحہ ۱۵۲

چل تن (چہل تن) کے نام سے موسوم ہے ۔ جس کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ چالیس بزرگ اس کی گھاٹیوں میں دیکھے گئے جو بعد میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ لہ

ب : بزمان کی چوٹی

بزمان کی چوٹی اس علاقے میں اسی نام سے مشہور ہے اس کی سب سے اونچی چوٹی ، ۳۴۹۰ میٹر بلند ہے۔ یہ پہاڑ بھی اُسی سلسلہ کوہ کی شاخ ہے جو مکران کے اندرونی علاقوں سے گزرتا ہے۔

ج : کوہِ بہشت

یہ پہاڑ چاہ بہار اور سراوان کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ جو ان علاقوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے کوہِ بہشت کے جنوب میں ایک بلندی کا سلسلہ موجود ہے جو شمال میں جازموریان اور جنوب میں سمندر کے ریگستانی ساحل پہ ختم ہوتا ہے۔ دریا کے قربت کی وجہ سے یہ کوہستانی خطہ گرم مرطوب نباتات کی زرخیزی میں معاون ہے اور اس علاقے میں ہندوستان کے بعض علاقوں کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

مُود پٹیج ، پیر شوران ، کوہ سفید (مرکز داد شاہ) آہوران

لہ مجتبٰی - مہندس محمد علی - کوہ تفتان مجلہ یادگار سال ۱۳۴۲ صفحہ ۶۸

خاکی ، پوساق بکہ بند کے پہاڑ بلندی میں نسبتاً کم ہیں جو ۳۰۰۰
فٹ کے قریب بلند ہیں ۔ اس علاقے میں پہاڑوں کا آخری سلسلہ
سیاہ کوہ ہے جو پاکستان ایران اور افغانستان میں حد فاصل ہے
اس کی بلندی ۱۶۶۲ میٹر ہے ۔

سراوان میں جالق اور ناہوگ و پیرک کی پہاڑیاں ہیں یہ جوں
جوں ملک کے قریب ہوتی ہیں ۔ ان کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے
جونہی ملک کی حدود سے متجاوز ہوں ان کی بلندیوں میں اضافہ
ہوتا جاتا ہے ۔

سلسلہ کوہستان آہوران جو دو ڈویژنوں یعنی ایرانشہر کو چاہ
بہار سے جدا کرتا ہے سرحد کی تنگ پٹی اس کی وسط سے
گزرتی ہے ۔

۱۰۔ جنگلات

بلوچستان میں شمالی منطقے کی طرح گھنے اور پھیلے ہوئے جنگلات
تو نہیں ہیں مگر اس سرزمین پہ درختوں متعدد مختلف اقسام پھیلی ہوئی
ہیں مرحوم فرمانفرمانے اپنے سفرنامہ میں اس جانب کچھ زیادہ توجہ
نہیں دی ہے ۔ جب کہ یہ منطقہ جو پانی ، زرخیزی اور موسمی
موافقت کا حامل ہے اس کے جنگلی اور چراگاہی رقبہ میں اضافہ
مورد قبول ہے ۔

ایرانشہر کے باخبر اصحاب اس بات پر یقین رکھتے ہیں
کہ ماضی میں یہاں جنگلات کا پھیلاؤ رہ چکا ہے مگر نوجوں

کی آئے دن کی یلغاریں ، آبادی میں روز افزوں اضافہ اور درختوں کی اندھا دھند کٹائی و سوختگی نے جنگلات کو متاثر کیا۔ جنگلات کے قطعے بالخصوص کلات اور دشتیاری میں زیادہ ہیں

بلوچستان میں بارشوں کی کمی خودرو جھاڑیوں کی افزائش میں مانع ہے تاہم درختوں کا پھیلاؤ کوہستانی علاقوں میں قابل دید ہے۔

فرانسیسی جرنیل فرید صاحب جو کسی زمانے میں ایرانی حکومت کی خدمات پر مامور تھے۔ سیستان میں جنگلات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جنگل اور اگنے والی جھاڑیوں میں گز۔ نیزدار رقبہ میں زیادہ ہیں۔ ان کے وسط میں وسیع اور عریض چراگاہیں ہیں۔ تاہم ان دنوں پانی کی کمی کے باعث یہ جنگلات نہیں رہے ہیں۔

بلوچستان کے جنگلات میں جانوروں اور جنگلی درندوں میں لگڑ بھگا۔ چیتا ، ریچھ گیدڑ اور لومڑ پائے جاتے ہیں چونکہ ان جانوروں کو تنہائی و سکون کم ہی میسر ہونے لگا ہے۔ اب ان کی نسلیں بتدریج گھٹ رہی ہیں۔

اس علاقے کی زمین پر درختوں اور جھاڑیوں کو جو مشہور اقسام ملتی ہیں وہ یہ ہیں۔

کہور ( ) یہ ایک کانٹے دار ، مرطوب آب ہوا میں بڑھنے والا درخت ہے۔ چھوٹے چھوٹے پتے۔ ٹیڑھا تنہ اس کی لکڑی سخت اور لچکدار ہوتی ہے۔ اس کے ریشے سے

دستی چھڑیاں اور دوسری دستکاریاں بنائی جاتی ہیں۔ باورچی خانوں میں مستعمل بہت سی چیزیں اس سے بناتے ہیں۔ دیہات اس کی لکڑی سے پنجرے تیار کرتے ہیں اس کی بلندی بعض مقامات پر ۱۲ میٹر اور وزن پانی سے زیادہ ہوتا ہے اس کے پتے اونٹوں کے چارے کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں اونٹ اسے شوق سے کھاتا ہے۔

سدر: (کنار) ایک مقامی درخت ہے۔ جسے کنار بھی کہتے ہیں۔ اس کے پتے کپڑے دھونے کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی لکڑی تراشش کے لئے موزوں ہے۔

گز (لئی) بہت سے علاقوں میں بلوچستان میں گز اگتے ہیں۔ بلوچستان کے جنگلی درختوں میں اس کی مقدار سب سے زیادہ ہے۔ گز کے پتوں کو اگر چھ ماہ تک زمین میں دبا کر رکھا جائے تو اس سے زرعی کھاد کی ایک بہترین قسم تیار ہوگی۔

جنگلی بادام: جنگلی بادام جسے مقامی طور پر گواتام بھی کہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے درختوں کی شکل میں پہاڑوں پر اگتا ہے۔ اس کے پھل کا گودا کڑوا ہوتا ہے۔ مقامی لوگ اسے پانی میں بھگو کر رکھتے ہیں تاکہ کڑواہٹ ختم ہو۔ اسے گیہوں کے بھنے ہوئے دانوں میں ملا کر کھاتے ہیں۔

داز رمزری ، یہ تزئین و آرائش میں مستعمل ایک کھجور نما درخت ہے کہ گرم سیر کے نواح میں بہت بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے اس کی بلندی ۲/۵ سے تین میٹر تک ہوتی ہے اس کے پتوں سے دستکاری کی قابل دید چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

جنگلی پستہ: مقامی طور پر اس درخت کو گوَن کہتے ہیں۔ سراوان خاش اور زاہدان کے کوہستانی نواح میں بکثرت پایا جاتا ہے اس کے پھل کو کوٹ کر سالن بناتے ہیں روٹی کے ہمراہ کھاتے ہیں۔

جنگلی انجیر: خاش، سراوان اور سرباز کے کوہستانی علاقوں میں ملتا ہے۔ اس کا پھل انجیر سے ذرا چھوٹا اور رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

موَ: جنگلی انگور ہے جو سراوان، خاش اور ایرانشہر میں پایا جاتا ہے مقامی لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں

جوان تاک: ر اس درخت کے پتے اونٹوں کے چارہ کے طور پر کام میں لائے جاتے ہیں۔ اس کی لکڑی جلنے میں دھواں کم دیتی ہے اور حرارت زیادہ دوسرے درختوں کی مناسبت سے یہ کمیاب ہے۔

ریشش : اس درخت کا مضبوط تنا ٹہنیوں اور پتوں سے بھرا ہوتا ہے ۔ صرف جنوبی منطقے کے نواح میں پیدا ہوتا ہے یا پھر دشتیاری میں اُگتا ہے ۔ بلندی بعض اوقات دس میٹر سے زیادہ ہوتی ہے اس کے پتے بھی چارہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں

مکر زناں (   ) بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں مضبوط تنے کا یہ درخت ملتا ہے ۔ مگر اس کے پتے اور حصے کسی کام نہیں آتے ۔

آرچن :۔ پہاڑی علاقوں کے نواح میں یہ درخت اگتا ہے ۔ اس کا تنہ اور چال چمکیلے نارنجی رنگ کی ہوتی ہے ۔ اس کی ٹہنیوں سے بیلچوں ، پاوڑوں اور زرعی آلات کے دستے تراشے جاتے ہیں

کرک : (آک) اس جھاڑی کی بلندی بہت زیادہ نہیں ہوتی ۔ اس کے پتے آم کے پتوں سے مشابہہ ہوتے ہیں ۔ لکڑی لچکدار اور شیرے سے بھری ہوتی ہے ۔ اس کے پتوں سے زرعی اراضیات کے آس پاس چھپر بناتے ہیں ۔ کسی اور مصرف میں نہیں آتا

ھت (   ) پہاڑوں میں اگتا ہے ۔ اس کا مضبوط تنا (فرنیچر بنانے) کے کام آتا ہے ۔ اس کی مقدار بہت ہی کم ہے

اور اس پر پھل نہیں لگتے۔

ساگ پات اور دوا دارو کی جھاڑیاں

ساگ، پات وغیرہ جو یہاں اگتے ہیں۔ مقامی ناموں سے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ زبرہ کوہی، پھلوک، تگیر، چُتروتک۔کرگوشک کاہ یہ پکا کر کھانے کے کام آتے ہیں۔ جبکہ لاتعداد جڑی بوٹیاں ملتی ہیں۔ جو دوا سازی میں مستعمل ہیں اور جن سے مقامی لوگ علاج بھی کرتے ہیں۔

پنیرباد ۔ گواتک ۔ ھچک ۔ وانیچک ۔ راب پترک ۔ وھلک الازنگ، توتری، گشوتک ۔ سمسوک ۔ ریواس ۔ چارمانگ ۔ سیاہ تگ ۔ کھکورک ۔ ملہ مکاکو ۔ پنجہ چنوک

کچھ جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں مخصوص امراض کے لئے دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہیں ایسے عوارض اور ان کی ادویہ جن جڑی بوٹیوں سے کرتے ہیں۔ وہ بوٹیاں یہ ہیں۔

درگہند (غالباً ازگند) سینہ کا درد، زکام وغیرہ میں چائے طرح ابال کر استعمال کرتے ہیں۔

درنگ	قے وغیرہ عوارض میں پیش بندی، روک تھام کے لئے
سمسوک	سانپ کے کاٹے کا علاج
آنقورہ	معدے کے کیڑوں کے خاتمہ کے لئے۔

اسفند	اس کے بیجوں کو آگ میں ڈالکر بھوت پریت کا انسداد کرتے ہیں۔
صارات	مسکن درد وغیرہ
کاسک	
برنجاسک	درد دل کے فوری آرام کے لئے
ازبوتک	اسہال کے علاج کے لئے مفید
سیاہ ورنگ	بخار یا ہاتھ پیروں کے درد کے لئے
گونجک	
ریک	خواتین کی بالوں کی نشو ونما اور تزئین
چھل گرجک ۔	کپڑے دھونے کے لئے صابن کے طور پر مستعمل
گوابج	کپڑے دھونے کے لئے بطور صابن مستعمل
کلپورگ	درد دل کی دوا
ایژرک	دوائے چشم آشوب
گندر	ملیریا بخار کی دوا
ہلجور	آنکھ کے زخم وغیرہ کی دوا
اسپرز	بچوں کے خسرہ کا علاج
بوئے مادران ۔سور	برائے سکون مزاج
گوبخت	دانت کے درد کے لئے کلی کرتے ہیں
ترلیشیک	سردی لگنے سے بیمار ہونے کی دوا وشامل کے ذائقے کی حامل ہے)
کروجک	اس کا پھل کھاتے ہیں اور اس کے ریشے

ہڈی جوڑنے کے کام میں لائے جاتے ہیں

صنعتی جھاڑیاں:

کچھ جھاڑیاں ایسی ہیں جو صنعتی کاموں میں استعمال میں لائی جاتی ہیں اُن سے رنگ ریزی و دباغنت کے کام لئے جاتے ہیں۔ بلوچستان میں یہ جھاڑیاں حسب ذیل کاموں میں مفید و کارآمد ہیں۔

انار کا چھلکہ	اس کی مدد سے اونی اور سفید ملبوسات کو زرد رنگ دیتے ہیں۔
پیلگوش	سر کے بال اور کپڑوں کی رنگائی کے کام آتا ہے۔
تراٹ و گیشتر	مشکیزہ وغیرہ کے لئے بھیڑ کی کھال اس سے رنگی جاتی ہے۔
گوُن تاک	رنگ ریزی میں کام آتا ہے۔
ہوںک	کھالیں رنگنے میں مستعمل ہے۔
چگک	" " "

سیستان و بلوچستان میں معدنیات

صوبہ سیستان و بلوچستان کا طبقات الارضی سروے کیا جا چکا ہے۔ یہاں مختلف قسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں۔ سنگ شیشہ (ابرق) سیسہ۔ لوہا، تانبا، کرومائیٹ۔ کوئلہ مٹی کا تیل

سنگ مرمر، سونا اور تعمیراتی پتھر مختلف علاقوں میں ملتا ہے۔
ابرق کے ذخائر خاش اور زاہدان میں، کرومائیٹ فنوج
کے آس پاس، مٹی کا تیل سراوان اور ایرانشہر کی راہ پر زابل
کے قریب دریافت ہوا ہے۔ سراوان کے پانی میں مٹی کے تیل
کی ملاوٹ پائی جاتی ہے۔ یہاں لوگ پانی صاف کر کے استعمال
کرتے ہیں ایرانشہر کے راستے میں ایک جگہ۔ کال لوگ شہداد
میں مٹی کے تیل کا چشمہ موجود ہے۔

پوٹنجر نے اپنے سفرنامہ میں کلات کے مغرب میں سرمہ
زنک کا اور ابی یعقوب نے تفتان میں نوشادر اور گندھک
کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت صرف تعمیراتی پتھروں سے استفادہ
کیا جا رہا ہے۔

باب دوم

وجہ تسمیہ

سیستان و بلوچستان

سیستان کی وجہ تسمیہ کو یونانی ، بالخصوص قدیم یونانی مورخین نے جو اس سرزمین پر ہیرمند (ہلمند) سے گذرے انگیانا کے لفظ سے مطابقت دی ہے۔ یہ لفظ (DRANGIANA) ایک اور لفظی مصدر (DRANGAY) سے لیا گیا ہے اس کا تلفظ (ZARANGAY) زرنگاؤ یا سرنگاؤ بھی کیا گیا ہے۔ اس زمین اور علاقے کا نام قدیم میں (ZARANKA) رہا ہے۔ بظاہر یہ نام "ساکا" قوم کے اس خطے میں ۱۲۸ ق م میں حملے کے نتیجے میں سکتانہ (SAKASTANA) یعنی ساکا قوم کی سرزمین کے نام پر پڑا۔ ساکا جسے سکاہ لکھا گیا ہے ایک اور ایرانی تاریخی حوالے کے مطابق حضرت مسیحؑ سے آٹھ سو سال پہلے گذری ہے اس کے موسس اور جبا علی ایش یاکاؤ نے اس کے مملکت کی بنیاد رکھی اور آذربائیجان پایہ تخت رہا۔ یہ لفظ یعنی (SAKASTANA)

سکستان ۔ سگستان (SGESTAN) کے روپ سے بدلتا ہوا عربوں کے زمانے میں (SEJESTAN) بنا ۔ سیستان کو اس کے محل وقوع کی مناسبت سے کہ یہ خراسان کے جنوب میں ہے ۔ نیمروز (NIM RUS) بھی کہا گیا ہے ۔ یہی نام شاہنامہ میں بھی آیا ہے[1]

حمد اللہ مستوفی نزہت القلوب میں لکھتے ہیں ۔ " سیستان ایک طویل و عریض علاقہ ہے ۔ اسے ملک کہنا چاہیئے ۔ اس کی طویل سرحد جزائر خلدات (وضر) تک اور عرض خط استوا " لب ک " جہاں گرشاسپ نے قائم کی پھیلی ہوئی ہے ۔ اس کا نام رزنگ رکھا گیا ۔ جسے عربوں نے زرنج پہلوان سے تلفظ کیا ہے ۔ سرکتی ہوئی ریت کا راستہ جیرہ کے قریب ایک عظیم الشان روک بنا کر روک دی تاکہ یہ شہر ریت کے سیلاب سے محفوظ و مامون ہو ۔ بعد میں بہمن نے اس کے تعمیرات کی تجدید کی اور سگان کا نام دیا ۔ عوام میں سگستان معروف رہا عربوں نے اسے معرب کر کے سجستان کہا جو وقت گزرنے کے ساتھ سیستان ہوا[2]

کیہانی جغرافیائے ایران میں تفصیل دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں سیستان کا مرکز " سکوبہ " ہوا کرتا تھا ۔ بعد میں نصرت آباد کہلایا ۱۲۹۵ھ میں امیر قائن نے بنیاد رکھی تو سیستان شہر کا نام معروف

۱۔ غلام حسین مصاحب دائرہ المعارف فارسی مطبوعات فرینکلن جلد اول تہران ۱۳۴۵ ، ۱۲۰۵

۲۔ حمد اللہ مستوفی نزہت القلوب مطبوعات ظہوری تہران ۱۳۳۶ صفحہ ۱۷۲

ہو۔ اور حکومت کا پایہ تخت رہا۔

سیستان کے اراضیات کی زرخیزی اور پیداوار ضرب المثل ہے گوناگوں پیداوار کے باعث اسے وادیٔ نیل سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ زردشتی مذہب کا مرکز رہا ہے۔ زرنگی۔ سگستان اور نیمروز کے ناموں سے پکارا گیا ہے

بلوچستان کی وجہ تسمیہ کے ذیل میں کیہانی مفصل جغرافیائے ایران میں رقمطراز ہیں کہ

"آج کا بلوچستان داریوش کبیر کے عہد میں "مکایا" کے نام سے معروف تھا۔ یہ لفظ بتدریج اور وقت کے ساتھ ساتھ (بہ ضم و سکون ک) مکران میں تبدیل ہوا۔ جس کے معنی ماہیخوراں (مچھلی کھانے والے) اسی طرح بعض مورخین زمانۂ ماضی میں مکران کو۔ اکتیو فاجی۔ لکھتے آئے ہیں۔ اس لفظ کے معنی بھی سمندر اور اس سے حاصل ہونے والی غذا کے ہیں جو بعد میں یونانی زبان میں ماہی خوراں میں متبدل ہوا۔ لیکن مقامی لہجہ اور لفظ مکران کے تجزیہ کے نتیجہ میں اس کے اور معنی بھی لئے جاسکتے ہیں۔ ایک معنی لفظ مکران کے ابتدائی دو حروف MOK یعنی مک سے بلوچی زبان میں کھجور کے درخت کا سامنے آتا ہے۔ جبکہ ان ارتیائی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ چونکہ مکران کے نواح میں بہت سے پہاڑ ہیں اور نخلستانوں کے وسیع قطعات پائے جاتے ہیں اس مناسبت سے کھجور اور پہاڑوں کی زمین کو مکران کہا گیا۔

بہرحال علاقہ مکران اس کے جنوبی منطقے میں شامل ہے۔ شمالی منطقے میں نہیں۔ ساسانی دور میں اس علاقے کو "کوسوں" کہتے تھے

جو کوس اور کوش کے لفظوں سے مشتق ہے۔ اور یہ معروف نام ان کی تاریخ میں تسلسل سے آیا ہے۔ معمر بلوچ اصحاب بتاتے ہیں کہ قدیم الایام میں شخصیت "مکران ابن فارک ابن سام ابن نوح" اپنے لوگوں سے اختلافات کی وجہ سے بابل سے نکل کر اپنے بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ یہاں پہنچے اسے اپنا مرکز و مامن بنایا۔ چونکہ یہ شخص اپنے حُسن کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہوتے تھے ان کی مناسبت سے یہ علاقہ مکران قرار پایا۔

علاوہ بریں کوروش کبیر کے زمانے میں عظیم ایران کو جو وسعت نصیب ہوئی تو اس علاقے کا نام گدروزیا (گدروسیا) پڑا۔ البتہ نادر شاہ افشار کے بعد سے اس وقت تک اس سرزمین کا نام بلوچستان ہے۔[1] مکران سے یہ نام بلوچستان میں اس لئے تبدیل ہوا کہ اس خطے میں دیگر تمام اقوام کے مقابلے میں بلوچ تعداد میں زیادہ ہیں یہ ہتھیار بند بلوچ جو نادر شاہ کے زمانے میں اس کی فوج میں خاصا اثر رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے بھی یہ نام پا گیا ہے۔

شہرستانوں (ڈویژنوں) کی وجہ تسمیہ:

الف: زاہدان سال ۱۳۰۷ش (مطابق ۱۹۲۸ء) جبکہ ایران بلوچستان پر غالب آیا اور اس علاقے میں امن و امان قائم ہوا۔ دزدآب (چوروں کا پانی) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کچھ مورخین کہتے ہیں کہ زاہدان کو دزد آب اس لئے کہتے تھے کہ یہاں کی زمین ریتلی ہے بارشوں کا جتنا پانی برستا ہے وہ اس ریت میں جاذب ہو

[1] یہ تاریخی غلطی ہے۔ بلوچستان نادر شاہ سے پہلے بھی اسی نام سے موسوم رہا ملاحظہ ہو تزک بابری۔ آئین اکبری۔ مترجم۔

جاتا ہے (پانی چرانے کے باعث) یہ نام پڑا ہوگا۔ لیکن دوسرے کچھ لوگ اس روایت کو مانتے ہیں۔ کہ زاہدان میں اب تک ایک چشمہ موجود رہا ہے۔ جہاں چور پانی پینے کو آکر جمع ہوتے اور یہیں پہ مال غنیمت کی باہم تقسیم کیا کرتے تھے۔ رضا شاہ کے زمانے میں دزد آب کا نام اس وجہ سے بدل دیا گیا۔ کہ یہاں بلوچ افغان اور زابل کے دوسرے باشندے عام طور پہ سروں پہ ایک سفید رومال باندھے رہتے ہیں اور زاہدوں کی وضع قطع بنائے رکھتے ہیں۔ اس لیے زاہد کی جمع زاہدان نام ہوا۔

الحاج علی اصغر معماران جو خود یزد کے رہنے والے ہیں اور آٹھ سال سے یہاں ہیں آج کل سیستان و بلوچستان کے مشہور تاجروں میں ہیں۔ بتاتے ہیں کہ

"اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر جب دزد آب تشریف لائے تو آپ کے استقبال کے لئے ہندوستانی سکھوں کی بڑی تعداد جمع ہوئی۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ اس مقام کو کیوں دزد آب کہتے ہیں۔ (جبکہ یہاں دین پرست رہتے ہیں) اس کا نام زاہدان[1] رکھا۔

ب: ایران شہر: اس کا اصل نام بہرہ تھا۔ جو عربوں کے دور میں معرب ہو کر فہرج بنا۔ ۱۳۱۵ کے خرداد ماہ تک (مطابق مئی ۱۹۲۳) یہ فہرج کے نام ہی سے مشہور تھا۔[2]

---

[1] زاہدان ایک شہر ہے۔ جو کبھی دزد آب تھا۔ اطلاعات ۲۱ شہریور ماہ ۱۳۵۲ صفحہ ۱۰

[2] غلام حسین مصاحب دائرۃ المعارف فارسی مطبوعات فرینکلن تہران جلد اول ۱۳۴۵ ص ۲۲۳

ج : خاش، خصوصیت سے خاش پر یہ نام اس لئے پڑا ہے کہ پہلے زمانوں میں اس کی صحرائی سطح کے بہت بڑے حصے پر خار یعنی نوکیلے کانٹے بچھے ہوئے تھے۔ اس لئے خاش کے نام سے موسوم ہوا

د : زابل : کیانی دور میں یہ ملک کا ایک صوبہ تھا۔ جو سیستان و سندھ میں محسوب تھا۔ اس کے حکمرانوں میں گرشاسپ، زال و رستم مشہور ہوئے ہیں۔ رستم کو زابلی بھی کہتے ہیں۔ زابلی۔ زاولی میں بدل گیا۔ سلطان محمود جو غزنوی حکمران تھے۔ اسے بھی زاولی کہا گیا ہے۔ فردوسی کا مصرعہ ہے

خجستہ درگہ محمودِ زاولی دریاست [1]

زابل کا شہر جو آج کل کے زمانے میں ہے۔ ماضی میں نصرت آباد تھا زابل نام ۱۳۱۳ھ شمسی میں پڑا۔

ہ : سراوان : یہ نام اصل میں ششتون یا شہستان تھا۔ جو کثرت استعمال سے مخفف ہو کر ششتان میں بدل گیا۔ ایک اور گاؤں کجشتان تھا اب یہ دونوں باہم مل گئے ہیں۔ اور شہر کی شکل اختیار کر لی ہے۔ حروف و اور ب چونکہ باہم بدل جاتے ہیں۔ اس لئے سرآب جو اپنے چشموں کی وجہ سے سراوان بلوچستان کا سرسبز و شاداب اور حاصل خیز

[1] - لغت نامہ - دهخدا ۔ ہنری پوٹنجر سیاست سندھ و بلوچستان

ج : خاش، خصوصیت سے خاش پر یہ نام اس لئے پڑا ہے کہ پہلے زمانوں میں اس کی صحرائی سطح کے بہت بڑے حصے پر خار یعنی نوکیلے کانٹے بچھے ہوئے تھے۔ اس لئے خاش کے نام سے موسوم ہوا

د : زابل : کیانی دور میں یہ ملک کا ایک صوبہ تھا۔ جو سیستان و سندھ میں محسوب تھا۔ اس کے حکمرانوں میں گرشاسپ، زال و رستم مشہور ہوئے ہیں۔ رستم کو زابلی بھی کہتے ہیں۔ زابلی۔ زاولی میں بدل گیا۔ سلطان محمود جو غزنوی حکمران تھے۔ اسے بھی زاولی کہا گیا ہے۔ فردوسی کا مصرعہ ہے

خجستہ درگہ محمودِ زاولی دریاست[۱]

زابل کا شہر جو آج کل کے زمانے میں ہے۔ ماضی میں نصرت آباد تھا زابل نام ۱۳۵۵ شمسی میں پڑا۔

ہ : سراوان : یہ نام اصل میں شستون یا شہستان تھا۔ جو کثرت استعمال سے مخفف ہو کر شستان میں بدل گیا۔ ایک اور گاؤں گجشتان تھا اب یہ دونوں باہم مل گئے ہیں۔ اور شہر کی شکل اختیار کر لی ہے۔ حروف و اور ب چونکہ باہم بدل جاتے ہیں۔ اس لئے سرآب جو اپنے چشموں کی وجہ سے سراوان بلوچستان کا سرسبز و شاداب اور حاصل خیز

۱۔ لغت نامہ۔ دھخدا ، ہ سبزی پرغنجر سیاست سندھ و بلوچستان

علاقہ ہے اس لئے سرآب سے بدل کر یہ سراوان بنا ہے۔

پاٹینجر کی روایت ہے کہ سراوان کی وجہ تسمیہ وہ کہ حصار اور برج ہیں جن سے یہ محصور ہے جو ایک خشک دبے آب مرکز کے درمیاں سراوان کے کوہستانوں سے ۰۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے اس لئے سراوان کہلاتا ہے۔ لہ

ما: بمپور: اس کا اصل نام تمبوخ تھا۔ لیکن یہ بعد میں اس لئے بمپور ہو اکر کہتے ہیں۔ بہمن بن اسفندیار نے اس شہر کی نئی بنیاد ڈالی اور اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے بہمن پور نام رکھا جو وقت گزرنے کے ساتھ بمپور بن گیا۔

اہلِ بلوچستان کی نسل

لغت کی کتابوں میں لفظ بلوچ کے معنی اکثر یہ دیئے گئے ہیں ۔ . . . " اور (بلوچ)، کلغی کو کہتے ہیں "۔ اس لئے کہ بلوچوں میں کچھ لوگ اپنی پگڑی ٹوپی پر اس طرح سجاتے جیسے مرغ کی کلغی جو لوگ اس معنی کے حامی ہیں۔ وہ عام طور پر فردوسی کے اس شعر کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

سپاہی ز گردان کوچ و بلوچ
سگالندہ جنگ و برآوردہ خوچ

لہ ۔ ہنری پوٹینجر سیاحت سندھ و بلوچستان

ہمیں تسلیم ہے کہ بلوچ جو سادہ دل لوگ ہیں وہ اس معنی کی تعبیر ہیں۔ ساتھ ہی وہ ان مزید دو لفظوں کے معنوں پر پورے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک "بر" ہے۔ جس کے معنی دشت و صحرا کے ہیں، دوسرا "بلیچ" ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو دشت و بیابان کی طرح برہنہ اور بے پوش ہو۔ برہان قاطع کی رُو سے "صحرائی" ہو

بلوچستان میں وارد ہونے والے قدیم باشندوں کے بارے میں گہری معلومات اب تک سامنے نہیں آئیں۔ البتہ بلوچستان کے وسطی، شمالی اور جنوبی علاقوں کی حد جو راجستان کو چھوتی ہیں کچھ انکشافات ہوئے ہیں۔ جنہیں جناب د۔ کارنے" وادی سندھ کی ابتدائی نسلوں" کے عنوان سے مرتب کیا ہے۔ اس مقالے کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔ ویدوں کی رُو سے جو ہندوؤں کی قدیم ترین متبرک کتب ہیں آریاؤں کی وادی سندھ میں آمد ہی ہڑپہ کے کلچر اور تمدن کی تباہی پر منتج ہوئی۔ رگ وید کے بہت سے منتروں میں آریاؤں کی جنگ کی مقامی قبیلوں داساس یا داسیوں سے لڑنے کا ذکر ہے اور اندرا کو پوندرا یعنی شہروں اور اسلحہ خانوں کو تباہ کرنے والے کہا گیا ہے۔ یہ اغلب ہے۔ کہ اس جانب اشارہ ہو کہ آریاؤں نے ہڑپہ[1] اور "موئن جودڑو[2]" کے آباد شہر تباہ کر دیئے تھے۔

داساس یا اینا داس جو کوتاہ قد، بدصورت، بد دماغ مذکور ہوئے

---

[1] ہڑپہ۔ مغربی پاکستان میں پنجاب کے شہر منٹگمری (ساہیوال) کے علاقے میں دریائے راوی کے بائیں کنارے میں چیچہ وطنی کے شمال میں واقع ہے۔

[2] موئن جودڑو۔ تمدن سندھ کا دوسرا بڑا مرکز ہے جو دریائے سندھ کے دائیں کنارے میاں مار MARR اور وہاتا HDTTD پاکستان میں واقع ہے۔

ہیں اور جن کی زبان غیر مانوس تھی۔ وہ دینی اور اخلاقی اصولوں سے بے بہرہ مردانہ آلت کی پرستش کرتے تھے۔ اسی طرح رگ وید میں آریوں سے قبل کے وادی سندھ کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ جو غیر آریائی اقوام کے تصرف میں تھا اور جسے آریائی قبائل نے تباہ کر دیا۔ آریاؤں کی آمد سے پہلے سندھ کے باشندوں کی جسمانی خصوصیات کے بارے میں خاصی معلومات دستیاب ہیں۔ آثار قدیمہ کے سلسلے کو امری کوٹ ڈیجی، رانا غونڈئی کالیبانجن (KALIBIANGEN) سے جو بلوچستان کے وسطی، شمالی اور جنوبی راجستان سے شواہد ملے ہیں۔ اُن آثار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہڑپہ کلچر سے پہلے بلوچستان اور افغانستان کے پہاڑوں میں قدیم ترین باشندے آباد تھے[1] جب علم الابدان کے ماہرین نے بہ وقت نگاہ ان ہڈیوں اور کھوپڑیوں کا مطالعہ اور تجزیہ کیا یہ غیر معمولی جسامت کے تھے۔ سندھ کی وادی کے علاقے یعنی ہڑپہ اور موئن جو دڑو۔ چھانجھو دار، بالاتہ، سیالکوٹ نال وغیرہ چاتر جی اور گارڈ وغیرہ ملنے سے اظہار ہوتا ہے کہ وادی سندھ کے باشندے بحیرۂ روم کے دور اول کے باشندوں کی طرح لمبے جبڑے والے تھے[2]

[1] د۔ کا د۔ آریوں کے بارے میں تین باتیں۔ مسعود رجب نیا دمترجم انجمن قدیم ایرانی کلچر۔ تہران ۱۳۴۲ء ۹۲-۹۳

[2] درادڑ وہ لوگ تھے جو جنوبی ہند میں آباد تھے۔ سیاہ فام، چپٹی ہوئی ناک، درادڑوں نے آریاؤں کے حملے سے پہلے ایک کلچر کی بنیاد ڈالی ان کے وہ تاجر جو تجارت کی غرض سے سمندروں میں سفر کرتے تھے۔ اور سومیر و بابل تک پہنچے تھے۔ ان کی جستجو کے باعث مختلف فنون سے اپنی قوم کو شناسا کیا۔ تاریخ تمدن۔ ویل ڈورانٹ۔ جلد ۲ مترجم مہرداد مہرین مطبوعات فرینکلن سال ۱۳۴۳ء صفحہ ۵۷۹، ۵۸۰

ایک اور نسلی قسم چھوٹے سر (پست کھوپڑی) لبے جبڑوں کی (جو پیشانی سے ٹھوڑی کی طرف متمائل) متوسط جثہ کی بھی ہوئی ہے جو (VEDDOID) لوگوں کی طرح بدوؤں سے مشابہ تھی - ان کی تنگ پیشانی جو عقب کی جانب مائل اور ابرو گچھے ہوئے ناک نسبتاً بچکی ہوئی جو دونوں ابروؤں میں جاکر گم ہوتی ہے - آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ایسی کھوپڑیاں H اور G - علاقے کے قبرستانوں سے ہڑپہ میں دستیاب ہوئی ہیں - یہ نسلی اقسام بیشتر آسٹریلیائی دور اول سے تعلق رکھتے ہیں جو ابتدار میں موئن جودڑو میں بعد ازاں دوسرے کے دور میں آدیتانالوڑ اور ڈریوڈین پیکھیال، آسٹریلیا بحیرہ روم کی باقیات اولینہ میں گڈ مڈہوئی گجرات میں لانگ ناج کے آثار کے علاوہ نواسا نکالا کوٹا، چانڈولی میں بھی آسٹریلین نسل شکل کا ذب نظر آتی ہے - حصار سے ٹاپو ایران میں اور یورپ و افریقہ اول کے آثار سے جو کھوپڑیاں قدیم ایران A عراق و بین النہرین میں ملتی ہیں - وہ اس نوع سے بہت قریب ہیں - اس طرح چھوٹا ناگ پور مدھیہ پردیش کے مقامی اور ڈریوڈین سے جو جنوبی ہند میں ہیں بھی مشابہ ہے [1]

باد دوئی اور بدوی یا قدیم آسٹریلیائیوں میں مشابہت کا قیاس اس لئے کہ ہڑپہ اور موئن جودڑو کی دستیاب کھوپڑیوں اور آدیتا نا لوڑ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دراوڑ اولین اور آسٹریلیائی قدیم، بعد میں ان کی دوسری نسل بہت ملتی جلتی ہیں یہ اس بات کی طرف

---

[1] ڈی۔ ڈی۔ کمار۔ آریوں کے بارے میں تین باتیں صفحہ ۱۰۲

اشارہ ہے۔ کہ دراوڑ خون ۲۰۰۰ قبل مسیح میں ہندوستان پہونچ چکا تھا اور بڑی مدت سے قدیم میڈیٹرانینؔ اور آسٹریلیائی وادی سندھ اور برصغیر میں تقرب حاصل کرچکے تھے۔ شاہدحات کے زمانے کے اوائل میں یہ واقع ظہور پذیر ہوا ہو۔

بلوچوں کی پیشرو نسل کے باب میں مختلف عقائد کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ ان سے چند کے بارے میں صنیع الدولہ کتاب مراۃ البلدان میں لکھتے ہیں کہ۔

خود بلوچ اس عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ عربی النسل ہیں تاہم عربوں سے انہیں جسمانی وصوری مشابہت نہیں ہے۔ بلوچوں کے قد بلند، چہرے لمبوترے ہیں۔ خوش شکل، قوی و رشید، مضبوط اور خونخوار ہیں۔ خونخواری اور رہزنی ان کا بہترین پیشہ ہے۔ اور ان خصوصیات پر فخر بھی کرتے ہیں ؔ۔

عربی النسل ہونے پر ان کے اعتقاد کی بنیاد شاید یہ ہو کہ عرب قوم کے دلیر جب جنگ وجدل کے لئے جاتے اپنے ہمراہ عورتوں کو ساتھ لے جانے کا دستور نہ تھا۔ اور جب مدمقابل مغلوب ہو جاتے تو ان سے طمع کرتے۔ یہ (عرب) سپاہی جن گھروں میں وارد ہوتے ان کے مکین مجبوراً دو ایک بہادروں کی ضیافت و پذیرائی کرتے

اس عقیدہ کے مطابق بلوچوں کے عرب ہونے کی روایت خود ان میں مروج ہو چکی ہے۔ فاتح کی پذیرائی جس پر مغلوب سر تسلیم خم کرتا

لہ۔ میڈیٹرینین شاخ قفقازی ہیں۔

سلہ۔ صنیع الدولہ مراۃ البلدان، سابق ماخذ صفحہ ۲۶۸

ہے۔ ان میں موجود ہے۔ بہت سے علاقوں میں نامور خاندانوں میں مخلوط نسل نمودار ہو چکی ہے۔ شاید عرب دستور نے اسی راہ سے بلوچوں میں گھر کر لیا ہو اسی طرح عربوں میں ہجرت کی جو عادت ہے عمرانی اعتبار سے اُس کا اثر بلوچوں کے طائفوں میں جاگزیں ہوا جس سے اس عقیدے کو استحکام ملا کہ وہ عربی النسل ہیں۔

کردستان کے علاقے میں کچھ عرب قبیلے رہتے بستے ہیں کرد قبیلہ کے رؤسا اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ عرب قبائل کی اولاد سے ہیں [1]

فردوسی شاہنامہ میں صاف صاف بتلاتے ہیں کہ " بلوچوں نے نوشیروان کے عہد میں گیلان کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہجرت کی سیستان و بلوچستان میں آئے جو آرین نسل سے ہیں۔ ان کے اشعار و تصنیفات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے زمانے سے اس علاقے میں آئے تھے۔ چونکہ حلب کا ذکر ان تصانیف میں بہ تکرار آیا ہے اس کا احتمال پیدا ہوا کہ عربوں کی باقیات سے ہوں گے [2]

---

[1] ہنری فیلڈ۔ مردم شناسی ایران۔ ڈاکٹر عبداللہ فریار (مترجم) حاشیہ ۷۰

[2] فردوسی شاہنامہ۔ ص ۲۸۲ - ۲۸۴

سر پرسی سائیکس نے لکھا ہے " بالفعل بلوچ عرب اور ایرانی نسلوں کی اختلاط کا نتیجہ ہیں ہے"[۲]

جارج کرزن نے پاٹنجر کے حوالے سے لکھا ہے ان (بلوچوں) کی اصل، سلجوقی ترکوں سے ہے "[۳]

کرزن اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ بلوچوں کا ایک حصہ مثلاً دشتیاری لوگ بظاہر ہندی النسب ہیں۔ تاہم ان کے اجداد خود بھی اس حقیقت سے ناواقف تھے۔ یہ لوگ سندھ سے آئے ہیں۔ ان کی زبان میں ہندوستانی الفاظ بکثرت ہیں۔

پورے بلوچستان میں افریقی طائفوں کا میل قابل دید ہے۔ ان کے زیادہ تر لوگ وہ ہیں جو غلاموں کی تجارت میں مسقط کی راہ سے زنگبار سے لائے گئے تھے۔ ان کی زیادہ تر تعداد حبشی اور سیاہ فام ہے۔[۴]

اس ضمن میں ہنری فیلڈ لکھتا ہے کہ " بشاجرد کے لوگ[۵] بشاجرد یا بشاگرد قنوج کا اغلب حصہ ہوگا۔ اور سرحد کوہستان کے نواح میں دور دراز ایرانی بلوچستان کے باشندے بہت ہی کالے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پورے علاقے میں دو طرح کے سیاہ فام ملتے ہیں۔ انار یا کوئی (ANARIKOI)

ح۱ فردوسی شاہنامہ ص ۲۸۲-۲۸۷ ح۲ سر پرسی سائیکس سفرنامہ ص ۱۲۸ ح۳ جارج کرزن ایران و قضیہ ایران ص ۱۵۰-۳۱ ح۴ حبشی وہ غلام اور مزدور ہوا کئے جو خلافت عرب کے زمانے میں زنگبار سے قاہرہ کے مرکز پہنچے اور مشرق کے تمام شہروں خصوصاً بغداد میں زیادہ پھیل گئے

ح۵ جارج کرزن ایران و قضیہ ایران

یا غیر آریئن - ایک اندازے کے مطابق خلیج فارس کے ساحلی علاقوں سے لے کر یہ ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی نسبت سے ان کی اولاد اس گرد و نواح میں اب تک باقی ہے۔[1]

کچھ لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قدیم مکران کے رہنے والے حبشی نسل کے ہوتے ہیں - ازمنہ قدیم میں ہجرت کر کے اس علاقے میں آئے۔ مگر اس وجہ سے کہ اس زمانے میں طویل مسافت، سفر کی صعوبتیں، بحری بیڑوں کی نایابی اور وسائل کا فقدان سد راہ بنے - وہ اپنی سرزمین کو لوٹ کر نہ جا سکے - کچھ محققین اس رائے کے ہیں کہ بلوچ اور ترکمان ایک ہی نسل کی باقیات ہیں - فردوسی بھی شاہنامہ میں اپنے اشعار میں اس کا اشارہ کرتے ہیں۔ لہٰذا تصور کیا جا سکتا ہے کہ غیر بلوچوں کی وہ تعداد جو سرخس، قوچان، بجنورد کے نواح میں بستی ہے اس نسلی وابستگی سے بہرہ رکھتی ہے - ان کے رسوم و آداب زیادہ تر بلوچوں اور ترکمانوں سے مشابہ ہیں - یہ بھی ایک مسلمہ قدر ہے کہ بلوچی زبان فارسی کے لہجوں اور بہت سے لفظوں کے استعمال کی بنا پر آریائی ہے اسی طرح کردی اور بلوچی زبان میں بہت سے لفظ بھی مشترک ملتے ہیں یہ وابستگی بھی بلوچ اور کردوں میں آریائی ہونے کی تائید ہے۔

تاہم بلوچوں کی نسل کے باب میں جو امر لائق توجہ اور قریب الواقع ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلوچ قوم کے لوگ ساسانی شہنشاہوں کے زمانے میں اور اس سے قبل گیلان کے پہاڑوں میں مویشی بانی اور کوہستان نوردی

---

[1] جارج کرزن ایرانی قضیۂ ایران

میں مشغول رہے ہیں۔ اس قیاس کو ان لہجوں اور انداز گفتگو سے تقویت ملتی ہے۔ جس میں اس منطقہ کے بہت سے لفظ مکمل طور پر نظر آتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ رشت اور قزوین کے درمیان سراوان کا جو علاقہ ہے وہ اسم بامسمیٰ ہے۔ خصوصاً بلوچستان میں سراوان ڈویژن اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ لیکن گیلان سے بلوچوں نے رفتہ رفتہ ہجرت کی ان کے کچھ حصے کرمان کے کوہستانوں میں، کچھ نواح سیستان کے ریگزاروں میں پھیل گئے۔ بعد کے حالات و حوادث ان کو علاقہ مکران میں پہنچانے کا باعث بنے۔ ایک مدت تک سندھ اور مکران کے کوہ و صحرا میں گذر بسر کرتے رہے۔

یہ بات کہ آریائی قوم سیستان کے صحراؤں اور بلوچستان میں کوچ کر کے پہنچی ہے۔ اس بارے میں دقیق تحقیق ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ اس حد تک کہ خیال آفرینی سے کام لے کر واقعات کے تانے بانے ملا کر حقیقت سے قریب ہوں۔ دو باتوں کا احتمال ہے۔

الف: ان اقوام نے اشکانی بادشاہوں کے لئے جن وفاداریوں کا بہت بڑے پیمانے پر اظہار کیا۔ خصوصیت سے فرہادک کے زمانے میں اٹھنے والی بغاوت میں حصہ لینے پر ان کی ملک بدری کے نتیجے میں اسی علاقے میں وہ آکر آباد ہوئے۔

ب: شمالی ایران میں سفید ہنوں کے حملوں نے بلوچوں کو کنارہ بحیرہ خضر سے کرمان و سیستان میں دھکیل دیا۔ مدتوں حوادث کا سامنا کرنے کے بعد وہ بلوچستان میں پہنچے تھے۔ یہ لوگ جن میں زیادہ تر تعداد مہاجروں کی تھی۔ آریوں کی فتح کے بعد جب کہ ان کو اپنے حسن و اعمال کے زرعی

زمینوں اور چراگاہوں کی ضرورت پڑی آریوں نے مسلح جنگ اور غارتگری کی بجائے زرعی معیشت کی اصلاح کے لئے توجہ کی اور بلوچوں کے مختلف قبائل کی تسخیر قلوب کرتے ہوئے یہ کام اُن کے سپرد کیا تاہم ان گروہوں میں باہمی جدال و قتال اجتماعی بود و باش کی صورت کے بعد بھی جاری رہا بلکل اسی طرح جیسے وہ پتھر کے زمانے کی ابتدا میں کرتے آئے تھے لے "

سلسلۂ قاچار کے زمانے میں اُن کی سفاکی اور بے رحمیوں میں بے پناہ اضافہ نے بلوچوں کی ایک بڑی تعداد کو اُن کے علاقوں سے نکل کر پاکستانی بلوچستان کا رُخ کرنے پر مجبور کر دیا۔ تاہم موجودہ زمانے میں ایران اور پاکستان کے بلوچوں کے درمیان خاندانی قرابت کا رابطہ استوار ہے۔ البتہ مختلف مواقع پر اس علاقے سے ان کی ہجرت و نقل مکانی جاری رہی ہے۔ اعراب ارزاقہ کی ہجرت، بلوچ قبائل کی مکانی مغربی ایران کے قبائل، نوشیروانی اور کردوں کی شاہ عباس کبیر کے دور میں ہجرتیں اور سب سے آخر میں نادر شاہ کے حکم سے افغان قبائل کی ہجرت اسی علاقے میں واقع ہوئی۔

عہد حاضر میں بلوچستان کے باشندے ایرانی، عرب، ڈراویڈین اور افریقی نسلوں میں مخلوط ہو کر بلوچ کے نام سے معروف ہوئے ہیں۔ کلی طور پر بلوچ آریائی نسل کے ایرانی الاصل ہیں۔ جو بعد مکانی کے باعث ایران کے باشندوں کی طرح بیگانوں کے ہجوم و اکثریت میں رہ کر بھی اُن سے

لے ول ڈیورانٹ۔ تاریخ تمدن جلد دوم صفحہ ۵۸۱

گھل مل نہیں گئے اور نسل ایرانی کا تفاخر برقرار رکھا ہے۔ چنانچہ اب تک ان کی ایرانیت تقریباً محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحرا نشین بلوچوں میں ایرانی قدیم اعتقادات اور ناموس ملّی کا زعم اب تک برقرار نظر آتا ہے۔

بلوچستان کے باشندوں کو دو بڑے دستوں میں تقسیم کیا جانا چاہیئے ان میں ایک دستہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے۔ جو اپنی دیرینہ عادت کی وجہ سے پہاڑوں اور صحراؤں میں قبائل کی طرح گذر بسر کرتا ہے۔ ان کی معیشت کا دارومدار مویشی بانی پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہاں طبیعی حالات سازگار رہوں۔ چشموں یا پہاڑی ندیوں سے پانی جاری ملے وہ نخلستان اور باغات اگاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے زرعی قطعات پر فصلیں بوتے ہیں۔ بند باندھ کر پانی جمع کرتے ہیں۔ ایسے علاقوں کو مقامی اصطلاح میں روش آب) "خوشاب" کہا جاتا ہے۔ تاہم ان کا اصلی اور قدیمی مشغلہ گلہ بانی اور حیوانی وسائل سے استفادہ ہے۔ ایسے لوگوں کو جو صحرانشینی اور الگ تھلگ زندگی گذارتے ہیں۔ بلوچ کہا جاتا ہے۔ جو بلوچستان کے مختلف قبائل کی تشکیل کرتے ہیں۔ دوسرا دستہ بلوچستان کے اصل باشندوں کا ہے۔

دیہات اور شہروں کے باشندوں کا مشغلہ زمانۂ قدیم سے زراعت و زمینداری ہے۔ ان لوگوں کو جو فی الحقیقت صحرانشین ہیں۔ ان کی موجودہ سکونت کے اعتبار سے کہ یہ قلعوں اور شہروں میں بستے ہیں شہری کہا جاتا ہے۔ اگرچہ دونوں دستوں میں اجتماعی، سماجی معاشرتی درجہ بندی نہیں۔ اور باہمی مضبوط روابط موجود ہیں۔ تاریخ کے

طویل ادوار سے لیکر اب تک برابر ایک دوسرے پر انحصار کرتے آئے ہیں اور ایک دوسرے کے ممدو معاون رہے ہیں۔ چونکہ نسلاً ایک ہیں اس لئے اجتماعی سیرت کی تکمیل میں خویش و پیوستگی کی ہر طرح سے حفاظت کرتے رہے ہیں۔

بلوچوں میں جس کی طرح کا قبائلی قربت واتحاد ہے اس سے ان کے درمیان دوستی اور یگانگت کے فروغ میں مدد ملتی ہے اور باہمی اختلافات و بزد آزمائی کی بیخ کنی ہوتی ہے۔

قحط اور خشک سالی، باہمی چشمک، طوائف الملوکی سے بلوچوں کی کثیر تعداد کی نقل مکانی کا کسی زمانے میں باعث بن چکی ہے اس صورتحال کے پیش نظر بلوچوں کی کثیر تعداد میں آبادی ماژندران خراسان، کرمان، بنادر، میں بکھری ہوئی ہے - ایک خاصی تعداد ملک سے باہر سکونت پذیر ہے - اگر بلوچوں کے قبائل و تمنات پر تفصیلی بحث کی جائے - ایک بڑی کتاب مرتب ہوسکتی ہے - اس گفتگو میں اس سے صرف نظر کرتے ہیں -

فہرست قبائل سیستان و بلوچستان و سربراہان قبائل

نمبر شمار	نام قبیلہ	سکونتی علاقہ	شہر	سربراہ قبیلہ	صدر مقام (شہر و موضع)
۱ ۲	ریکی (زاہدان)	زاہدان لادیز خاش	زاہدان، خاش	میر اللہ ریکی و حاجی عمران خان	گوہر، کوہ
۳۔	ریکی (زابل)	میانکنگی	زابل	محمد علی ریکی جلالی	موضع جلالی
۴۔	ناروئی (زاہدان)	نصرت آباد	زاہدان	ملک شاہ خان ناروئی	نصرت آباد
۵۔	ناروئی (زابل)		زابل	محمد شریف اور پرویز خان	خواجہ احمد ملک حیدری
۶	سارانی	میانکنگی	زابل	سردار علی خان سارانی	موضع نور محمد
۷۔	بارانی	میانکنگی	زابل	حمید بارانی	موضع بارانی
۸۔	بارکزئی	ایران شہر سرباز	ایران شہر	بہمن خان بارکزئی	—
۹۔	باہری	بزمان دلگان	ایران شہر	نواب خان باہری	لدی
۱۰۔	مبارکی	اسپکہ سلاشار آسپران	ایران شہر	نواب خان باہری	ہیچان

نمبر شمار	نام قبیلہ	سکونتی علاقہ	شہر	سربراہ قبیلہ	صدر مقام (شہر دیہی منطقہ)
۱۱	براہوئی	زابل۔ ترنک خاکش	زابل	سردار رحمن خان احمد خان براہوئی	تحسین آباد
۱۲	بلیدی	راسک، پشین قصرقند	باہو کلات/ چاہ بہار	حاجی کریم بخش سعیدی	راسک
۱۳	جمالد تیغ	اطرافِ دریائے ہلمند	زابل	کربلائی غلام جان تیغ	
۱۴	جست	پورا بلوچستان	—	—	
۱۵	سردارزئی	دشتیاری باہو کلات قصرقند	چاہ بہار	میر مولا داد سردارزئی	دشتیاری
۱۶	زین الدینی	قصرقند	"	عیسیٰ زین الدینی	قصرقند
۱۷	کلوچی	موضع لطف اللہ	زابل	محمد علی میر شکار	موضع لطف اللہ
۱۸	خدری	زابل موضع لطف اللہ	"	محمد حسین خدری	" "
۱۹	سالارزئی	موضع لطف اللہ	"	حسین سالارزئی	" "
۲۰	میر شکار	" "	"	شاہ نظر میر شکار	" "
۲۱	لکنزائی	دشت ورمال دامن کوہ خواجہ	"	علی آحد خان لکنزئی	دشت ورمال دامن کوہ خواجہ

نمبر شمار	نام قبیلہ	سکونتی علاقہ	شہر	سربراہِ قبیلہ	صدر مقام (شہر و موضع)
۲۲	شیک	زابل - ،،	زابل	علی حاجی شیک	دامن کوہ خواجہ
۲۳	سرحدی	زابل - موضع سیاہ مرد	زابل	غلام علی سرحدی	موضع سیاہ مرد
۲۴	شہ بخش	اطرافِ زاہدان شورو	زاہدان	اللہ بخش زاہدانی	زاہدان
۲۵	گمشادزئی	گشت - ناہوگ سیاہان	سراوان	خلیل گشادزئی	خلیل آباد
۲۶	شیرانی	نیک شہر قصر قند بنت	فنوج ایرانشہر	احمد خان شیرانی	فنوج
۲۷	لاشاری	لاشار، کوہستان ونگ سرحد	ایرانشہر	محمد خان لاشاری	اسپکہ / مریدک
۲۸	گرگیج	موضع گرگیج	زابل	حاجی مرزا محمد زر گرگیج	گرگیج
۲۹	کلانتری	اسکل	زابل	مرزا عباس کلانتری	اسکل
۳۰	شہنوازی	پشین کوہ	خاش	حاجی محمد شہنوازی المعروف نیک بخت	

نمبر شمار	نام قبیلہ	سکونتی علاقہ	شہر	سربراہ قبیلہ	صدر مقام (شہر و موضع)
۳۱	ہاشمی زئی	خاش	خاش	محمد ہاشم زئی	-
۳۲	رخشانی	میانکنگی	زابل	غلام حسین رخشانی	دوست محمد خان
۳۳	میر	موضع صادق	"	علی خان پور میر	صادق
۳۴	کرد	زابل	"	پرویز کرد	-
۳۵	میاوان	موضع اربابی	"	فقیر اربابی	اربابی
۳۶	سرابندی	شیب آپ پشت آپ زابل	"	محمد رضا سرابندی	-
۳۷	سنجرانی	میانکنگی ، شہرک ناروئی	"	حسین سنجرانی	سیادک
۳۸	ہراتی	موضع ہراتی	"	علم ہراتی جامی	ہراتی
۳۹	سیاہانی	دامن کوہ سیاہان	سراوان	-	-
۴۰	دامنی	دامن	ایرانشہر	چراغ خان خان دامنی پسر محمد سہراب	کلینگ تا پدیم

باب سوئم

سیستان و بلوچستان کے شہروں کا اجمالی تذکرہ

سیستان و بلوچستان کا صوبہ چھ ڈویژنوں پر مشتمل ہے جن کے نام یہ ہیں۔

زاہدان ، زابل ، سراوان ، ایرانشہر ، چاہ بہار اور خاش

الف : زاہدان ڈویژن

الف : زاہدان

زاہدان ڈویژن کے شمال میں دشت لوط اور زابل ڈویژن ، مشرق میں افغانستان اور پاکستان کے علاقے جنوب مشرق میں سراوان ڈویژن ، جنوب میں ایران شہر ڈویژن ، مغرب میں بم و بخش شہداد واقع ہیں اس کا رقبہ ۳۱۲۱ مربع کلومیٹر ہے۔ زاہدان شہر اپنے محل وقوع اور جغرافیائی اسٹراٹیجی کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ زاہدان سے قریب ترین شہر خاش ہے۔ جو اس سے ۱۰۵ کلومیٹر پر واقع ہے

زاہدان شہر کبھی دزد آب کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن زاہدان شہر کا اصل مقام قاسم آباد اور زابل کے درمیان جہاں آباد کے قریب تھا جس کے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں۔ امیر تیمور کے حملوں میں یہ شہر اور زرنگ کا تاریخی شہر تباہ ہو گئے تھے ؎۱

جنگ عظیم اول کے زمانے میں اب سے ۷۰ سال قبل کچھ معزز بوریا نشین بلوچ یہیں آ کر آباد ہوئے تھے۔ وہ اپنی ضرورت کا پانی وہاں کے کنوؤں سے حاصل کرتے تھے۔ ان بلوچ معززین کی اقامت عسکری نقطۂ نگاہ سے افغانستان اور ہندوستان تک میں اہمیت کی حامل تو تھی ہی۔ مگر اصل اہمیت اسے ان دنوں حاصل ہوئی جب پاکستان سے ریلوے کے ذریعے منسلک ہوا اور لوگ جوق در جوق یہاں آ کر بسنے لگے۔ اس طرح حکومت نے بھی اس کی تجارتی افادیت کے پیش نظر توجہ کی اس طرح ایران اور ہندوستان کے درمیان دزد آب کی اہمیت بڑھی اور مختلف نوع کے میل جول کا باعث ہوا۔ یہ دیکھتے ہی حکومت وقت نے یہاں نئے نئے ادارے قائم کرنے شروع کر دیئے۔ اس کے نتیجے میں کارکنوں اور ہنرمندوں کی تعداد بڑھی تاکہ وہ یہاں کی ضروریات کی کفالت کر سکیں۔ اچھی خاصی تعداد میں تاجروں نے ادھر کا رخ کیا۔ کاریگروں نے جو دزد آب پہونچے تھے۔ عمارتوں کی تعمیر کی تاجروں نے اپنا مال بیچنے کے لئے یہاں دکانیں کھولیں۔ رضا شاہ کے دور میں سال ۱۳۱۵ شمسی

؎۱ مخبر مہندس محمد علی۔ سود ہیرمند۔ مجلہ یادگار دیباہ سال ۱۳۲۵ صفحہ ۳۷

(مطابق ۱۹۳۵ء) دزد آب سے بدل کر اس کا نام زاہدان ہوا۔ یہ شہر سطح سمندر سے ۱۳۷۳ میٹر بلندی پر واقع ہے۔ اس کی آب وہوا گرم و معتدل ہے۔ زاہدان کا موسم چوبیس گھنٹوں میں کئی بار بدل جاتا ہے۔ زاہدان کی آبادی آبان ماہ ۱۳۵۵ کی مردم شماری کی رُو سے ۱۸۵۵۹۹ بالغ نفوس ہے۔ یہ شہر ایسا ہے کہ اسمیں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا اہل شہر کی ضروریات کی ساری چیزیں باہر سے آتی ہیں۔ اس کی وجہ سے یہاں ضروریات زندگی بہت ہی مہنگی ہیں۔ آبادی میں بے تحاشا اضافہ اور پینے کے پانی کی کمی آخری برسوں میں شدید مشکلات کا باعث بنی ہے۔

صُوبہ سیستان و بلوچستان کی وسعت تقریباً ۱۸۱۵۷۸ مربع کلومیٹر ہے۔ مگر آبادی کم ہے۔ مرکزی حکومتوں کی بے توجہی، ہجرتوں، آفات اور خشک سالیوں، مختلف زمانوں میں مرکزی حکومتوں کی فوجی کارروائیوں داخلی خانہ جنگیوں، باہم ملانے والے راستوں کی کمی وہ عوامل و عناصر ہیں۔ جس کے باعث اس وسیع صُوبے میں آبادی کو نقصان پہونچتا رہا ہے۔ چونکہ آبادی منتشر ہے۔ اس لئے صوبے میں آبادی کا تناسب ۳/۷ نفوس فی مربع کلومیٹر ہے۔ جو ملک کی ۱۴ نفوس فی مربع کلومیٹر کے مقابلے میں نہایت کم ہے۔

زاہدان کے مواضعات : صوبہ سیستان و بلوچستان کے دیہی علاقے

ھ؎ا مطابق ۱۹۷۶ء اکتوبر

اور مواضعات اس طرح سے ہیں -
تاہلن کے مواضعات سے ۴/۳ ملین ھکٹر جومہ، نصرت آباد
میرجاوہ اور ذیل کے مواضعات پر مشتمل ہیں۔

۱- موضع نصرت آباد :

۵۰ آباد، ۱۰ غیر آباد، اس موضع کی آبادی ۲۹۸۰ افراد پر مشتمل ہے۔ سب سے زیادہ آبادی نصرت آباد میں ہے جو ۴۰۱ افراد پر مشتمل ہے -

۲- میرجاوہ کے دیہات

۲۰ آباد، ۷ غیر آباد، ان مواضعات کی آبادی ۴۹۷ افراد پر مشتمل ہے۔ سب سے گنجان آباد موضع دُور بن ہے جہاں ۱۲۹ افراد بستے ہیں۔ حرمک آبادی کے لحاظ سے اس سے بھی بڑا موضع ہے۔ جس کی آبادی ۲۲۵ افراد ہے۔

۳ لادیز کے دیہات

۶۱ آباد ۲ غیر آباد گاؤں اس موضع میں آتے ہیں - کل آبادی ۲۶۳۵ افراد کی ہے۔ آبادی کے اعتبار سے جون آباد سب سے بڑا گاؤں ہے جہاں ۲۰۳ اشخاص بستے ہیں

۴- کورین کے دیہات

۶۳ آباد ۸ غیر آباد، اس موضع کی کل آبادی ۷۲۹ افراد پر

مشتمل ہے۔ حسن آباد مینوی باعتبار آبادی سب سے بڑا گاؤں ہے۔

۵۔ شورو کے دیہات

۱۷ آباد، ۷ غیر آباد ان دیہات کی کل آبادی ۲۰۵،۲ نفوس ہے۔

۶۔ سنگان کے دیہات

۳۶ آباد، ۷ غیر آباد ان دیہات کی کل آبادی ۱۶۱۰ ہے۔ سنگان جو ان دیہات میں آبادی کے لحاظ سے بڑا ہے یہاں ۲۲۱ افراد بستے ہیں۔

۷۔ حومہ کے دیہات

۳۹ آباد گاؤں ہیں۔ ان دیہات میں سب سے زیادہ آبادی سعید آباد کی ہے۔ جہاں ۶۵۸ آدمی رہتے ہیں کل آبادی ۱۷۸۱ ہے

۸۔ حرمک کے دیہات

۲۴ آباد، ۲ غیر آباد، ان دیہات کی کل آبادی ۲۳۳۲ افراد پر مشتمل ہے۔

۹۔ اندہ کے دیہات

۲۶ آباد، ۸ غیر آباد ان دیہات میں کل افراد ۱۱۱۵ ہیں۔
سہراب سب سے بڑا گاؤں جہاں ۲۰۶ افراد رہتے ہیں۔

ب۔ زابل ڈویژن

زابل ڈویژن شیب آپ، پشت آپ، نارولی، شہر کی اور میانکنگی علاقوں پر مشتمل ہے۔ خود زابل ۲۰۱۶ مربع کلومیٹر رقبہ کو محیط ہے آج کے دور کا زابل کچھ ہی قرن پہلے بسایا گیا تھا۔ جغرافیائی اور طبیعی لحاظ سے یہ شہر زاہدان کے شمال مشرق میں افغانستان کی سرزمین پر واقع ہے ۱۳۵۵ھ (مطابق ۱۹۷۶ء) کی مردم شماری کی رو سے زابل کی آبادی ۴۰۷۱۷ افراد، زبان زابل کی مخصوص لہجہ والی فارسی ہے۔ مذہباً شیعہ فرقے کی اکثریت ہے۔ سطح سمندر سے یہ شہر ۴۸۰ میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ ایک کنکر کی سڑک اسے صوبے کے مرکزی شہر زاہدان سے ملاتی ہے۔ حمل و نقل کے نقطہ نگاہ سے دیہات کو شہروں سے ملانے والی سڑکیں نہیں ہیں۔ جو سڑکیں ہیں اُن کی حالت افسوسناک ہے تاہم اس شہر کی زمین کی پیداواری صلاحیت بہت زیادہ ہے پیداوار حمل و نقل کی کمی کے باعث منڈیوں میں نہیں پہونچ پاتی۔

زابل ڈویژن میں میان کینگی، پشت آب، شیب آپ شہر کی اور نارولی کے ۳ ملین ہیکٹر حصہ کے اور ذیل کے دیہات پر مشتمل ہے۔

۱- حومہ کے دیہات

۱۰ آباد دیہات ہیں، ۵۶۳۶ افراد بستے ہیں۔ سب سے بڑا گاؤں آبادی کے لحاظ سے القور آباد ہے۔ جہاں کی آبادی ۸۱۴ نفوس پر مشتمل ہے۔

۲- پشت آپ کے دیہات

۱۷۶ آباد اور ۲۳ غیر آباد گاؤں اس میں شامل ہیں کل آبادی ۹۰۸۸ ہے۔ ان دیہات میں زیادہ آبادی بنجار جہاں ۵۸۸۴، اساب گاؤں ۱۶۶۵ افراد رہتے ہیں۔

۳- شہرکی کے دیہات

۱۱۰ گاؤں آباد، ۲ غیر آباد، کل آبادی ۴۱۳۲ نفوس، زہک اور جبزنیک میں علی الترتیب ۱۰۴۴ اور ۶۲۸ افراد گنے گئے ہیں۔

۴- ثیپ آپ کے دیہات

۱۷۷ آباد، ۱۹ غیر آباد گاؤں، ۱ گاؤں غیر محسوب، کل آبادی اس کے دیہات کی ۲۸۷۶۶ افراد، محمد آباد آقائی اور سکوھ زیادہ آبادی والے گاؤں ہیں۔ علی الترتیب آبادی ۱۷۷۰، ۱۰۲۱ افراد پر مشتمل ہے۔

۵۔ تاروئی کے دیہات

۸۲ آباد، ۲ غیر آباد، اس کے دیہات کی کل آبادی ۸۳۶۳ ہے دو بڑے گاؤں ہیں زحک جس کی آبادی ۲۳۶۲ قلعہ نو ۱۱۶۵ افراد کی ہے۔

۶۔ میانگنگی کے دیہات

۲۱۱ آباد، ۱۰ غیر آباد، کل آبادی ۲۱۳۲۲ افراد اس کے دیہات میں سب سے بڑا گاؤں دوست محمد خان ہے جس کی آبادی ۱۲۹۰ افراد پر مشتمل ہے۔

ج سراوان ڈویژن

سراوان ڈویژن ۹/۲ ملین ہیکٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ سوران رجائی اور رزابلی کی ایک چوتھائی اور ذیل کے دیہات کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

۱۔ کوہک کے دیہات:

۳۵ آباد، ۲۰ آبادی سے خالی۔ افراد کی تعداد کل ۹۸۹ ہے۔ ۲۰۴۰ افراد شہ جوئی بستے ہیں جو اس کا باعتبار آبادی سب سے بڑا گاؤں ہے۔

۲- ایرافشاں کے دیہات

۶۵ آباد، ۹ غیر آباد، کل آبادی اس کے دیہات کی ۳۸۲۱ نفوس کی ہے۔ ایرافشاں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا گاؤں ہے۔

۳- حومہ کے دیہات،

۹۴ آباد، ۱۹ غیر آباد، اس کے دیہات کی کل آبادی ۹۹۳۳ افراد پر مشتمل ہے۔ و اور پناہ میں ۱۶۴، محمدی میں ۱۲۶۵ آتہ پیچ زنگیاں میں ۱۳۱۱ افراد رہتے ہیں۔

۴- جالق کے دیہات

۶۱ آباد، ۲۱ غیر آباد، اس کے دیہات کی کل آبادی ۹۹۶۸ افراد پر مشتمل ہے۔ آبادی کے لحاظ سے دو بڑے گاؤں ہیں کو شکوک جہاں ۷۲۳، اور دہ کوہک ۵۴۶ افراد کا مسکن ہے۔

۵- آشار کے دیہات

۴۶ آباد، ۱۹ غیر آباد، ان دیہات میں کل آبادی ۲۶۲۹ افراد کی ہے

۶- زابلی کے دیہات

۲۵، آباد، ۱۲ غیر آباد، چھ ہزار ۶ سو بیس افراد پر مشتمل اس کے دو بڑے گاؤں ہیں۔ کوران کی آبادی ۵۸۰ اور قادر آباد کی ۴۹۶ نفوس۔

۷۔ سوران کے دیہات

۷۲، آباد، ۱۸ غیر آباد، ۹۱۳۸ افراد کل آبادی ہے۔ باعتبار آبادی سوران اور سیب بڑے گاؤں ہیں۔ جو بالترتیب ۱۷۳۳، ۱۸۸۷ افراد کی بستیاں ہیں

۸۔ گشت کے دیہات

۲۳، آباد، ۳ غیر آباد، کل آبادی ۲۹۶۸، افراد۔ گشت اور پندران زیادہ آبادی والے گاؤں ہیں۔ جہاں بالترتیب ۴۱۰، اور ۱۲۶، افراد بستے ہیں۔

۹۔ اسفندک کے دیہات

۱۷، آباد، ۹ غیر آباد، کل ۱۲۲۷، افراد پر مشتمل اس کے اہم ترین دیہات اسفندک کی آبادی ۵۱۴، اور کتار لبت میں ۳۱۹، افراد بستے ہیں۔

۱۰۔ کنت کے دیہات

۳۴، آباد، ۱۲ غیر آباد دیہاتوں پر مشتمل اس کی کل آبادی ۱۹۳۵

افراد ہے۔ کنت اور زیارت زیادہ آبادی کے گاؤں ہیں۔ کنت میں ۴۸، اور زیارت میں ۴۲، افراد آباد ہیں۔

۱۱- کلگان کے دیہات

۱۸، آباد، ۱ غیر آباد، کل آبادی ۲۶۲۳۳، افراد کی ہے۔ اس کے دیہاتوں میں بلحاظ آبادی اسابیک اور فہرہ گنجان آباد ہیں جہاں بالترتیب ۳۱۱، اور ۲۶۸، افراد بستے ہیں۔

۱۲- ضیائی کے دیہات

۷۵، آباد، ۴ غیر آباد، کل آبادی ۵۳۸۰ نفوس ہے۔ زیادہ آبادی والے گاؤں مندر اور سرجنگان ہیں۔ سرجنگان میں ۲۷۵ اور مندر میں ۱۷۲، افراد آباد ہیں۔

۱۳- بم پشت کے دیہات

۱۵۴، آباد، ۱۰۵ غیر آباد گاؤں ہیں۔ کل آبادی ۵۲۰۵، افراد کی ہے۔ کشتگاں گاؤں میں ۴۲۴، اور گواری میں ۳۸۲، افراد رہتے ہیں۔

۱۴- ھیدوچ کے دیہات

۱۰۵، آبادی والے گاؤں، ۴ غیر آباد، کل ۴۳۴۶، افراد ریگان اور توندو آبادی کے اعتبار سے بڑے گاؤں ،

ہیں جہاں بالترتیب ۵۵۰ ، اور ۳۵۲ ، افراد آباد ہیں۔

۱۵۔ پسکوہ کے دیہات

۳۳ ، آباد ، ۱۳ ، غیر آباد ، ۲۷۹۰ ، افراد پر مشتمل ان دیہات میں سب سے زیادہ آبادی والے گاؤں سرسورہ ۲۲۲ ، اور غیر آباد ۱۲۱ افراد کا مسکن ہے۔

سراوان ڈویژن

وہ شہر جسے آج کل سراوان کہتے ہیں ۱۳۰۷ شمسی (مطابق ۱۹۲۸ء) سے پہلے شستون نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ پرانے زمانے میں شستون کو " شراستون " کہتے تھے۔ ناسخ التواریخ میں " سرالبتان " کے نام سے مذکور ہوا ہے سراوان ڈویژن کے شمال میں ایران ، جنوب میں پاکستان مغرب میں خاش ڈویژن اور سرباز کا حصہ ، ایرانشہر ہے۔ یہ ڈویژن دو پہاڑی علاقوں سے مل کر بنا ہے۔

اس ڈویژن کی آبادی ۸۲۰۵۸ ، افراد کی ہے۔ سراوان کے لوگوں کی زبان بلوچی ہے۔ اس کے پہاڑی علاقے میں بم پشت کے دیہات واقع ہیں۔ جہاں کے لوگ بہت غریب ہیں۔ اس لئے کہ کافی مقدار میں زرعی زمین موجود نہیں اس علاقے کے لوگ اکثر و بیشتر پہاڑوں میں گذر اوقات کرتے ہیں۔ پینے کا پانی چشموں

سے حاصل ہوتا ہے۔ جب کبھی چشموں کا پانی ان کی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ وہ وہاں سے کوچ کرتے ہیں اور دَرّہ بہ دَرّہ گھومتے ہیں۔

اس ڈویژن کی ندیوں میں پانی سارا سال جاری نہیں رہتا سب سے بڑی ندی ماشکید کی ہے۔ جس کا منبع سرحد سراوان میں ہے۔ بم پشت کے دیہات کی شمال سے بہتی ہوئی یہ ندی پاکستان میں جا نکلتی ہے موسم برسات میں یہ ندی بھری رہتی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر خشک ہی رہتی ہے۔ اگر اس پر بند باندھا جائے تو زرعی مقاصد کے لئے اس سے خاصا پانی حاصل ہو سکتا ہے۔

سراوان کا خطہ بلوچستان میں سرسبز ترین ہے۔ انار، سیب، زرد آلو سراوان میں وافر ہوتا ہے بلوچستان کے دوسرے علاقوں کی نسبت سراوان کے لوگ مرفع الحال ہیں۔

د۔ ایرانشہر ڈویژن

ایرانشہر ڈویژن کے شمال میں خاش، مغرب میں بمپور کا ایک حصہ مشرق میں سراوان اور جنوب میں چاہ بہار واقع ہے ۱۳۵۵ھ کی مردم شماری کی رو سے اس ڈویژن کی آبادی ۱۵۶۰۶۰ افراد پر مشتمل ہے۔ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ زیر زمین پانی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ طبیعی نقطۂ نظر سے بھی ایرانشہر مناظر سے مالا مال اور حسین ہے۔ جہاں آذر ماہ کے آواخر

(یعنی نومبر) سے خرداد ماہ تک سیاحوں کے لئے پرکشش ہو سکتا ہے۔ اس ڈویژن کی ندیوں میں سرباز اور بمپور کی ندیاں قابل ذکر ہیں۔ موجودہ وقت میں اس کی پیداوار میں کھجور اور اور جوار کی اہمیت ہے۔ ایرانشہر کے دیہات یہ ہیں۔ چار ملین ہیکٹر پر مشتمل ایرانشہر سرباز بزمان ۔ بمپور، حومہ راسک اور ان دیہات کے حصے ہیں۔

۱۔ نکند کے دیہات

۴۰، آباد، ۹ غیر آباد ان دیہات کی کل آبادی سب سے بڑا گاؤں ہے جہاں ۵۰۴ آدمی بستے ہیں۔

۲۔ منیان کے دیہات

۵۲، آباد، ۱۴ غیر آباد گاؤں، کل آبادی ۸۶۸۴ ۔ باہنگ اس کا آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑا گاؤں ہے اس میں ۲۹۵ نفوس بستے ہیں۔

۳۔ ملوران کے دیہات

۱۲۷، آباد، ۹۰ غیر آباد، ان دیہات کی کل آبادی ۲۰۱۵ افراد پر مشتمل ہے ۔ ملوران سب سے بڑا گاؤں ہے ۲۱۹ آدمی رہتے ہیں۔

۴۔ بسکوتان کے دیہات

۷۴ آباد، ۱۷ غیر آباد کل آبادی ۳۸۸۷ افراد کی ہے۔ بسکوتان بلحاظ آبادی سب سے بڑا گاؤں ہے۔ جہاں ۱۹۹۸ افراد بستے ہیں۔

د۔ چاہ بہار ڈویژن

یہ شہرستان یا ڈویژن شمالاً بمپور، سرباز، راسک، شرقاً شرقی ایران و پاکستان جنوب میں بحیرۂ عرب اور مغرب میں بندر عباس ڈویژن میں راسک کی بندرگاہ سے گھرا ہوا ہے۔ اس ڈویژن کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ خصوصاً اس کے جنوبی حصے کی آب و ہوا سمندر سے متصل ہونے کی وجہ سے مرطوب ہے۔

اس ڈویژن کی ندیوں میں راہج، باہو کلات وکاجہ قابل ذکر ہیں۔ سال ۱۳۵۵ شمسی (مطابق ۱۹۷۶ء) کی مردم شماری کی رو سے ۸۶۰۹۱ افراد کی آبادی ہیں ۴۵۱۲۵ افراد مرد، ۴۰۹۶۶ عورتیں شامل ہیں۔ اس کے باشندوں کی زبان بلوچی ہے اور سنی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔

چاہ بہار ڈویژن کا ۲/۸ ملین ہیکٹر رقبہ مشتمل بر حومہ، نصرت آباد قصر قند، کنارک، دشتیاری اور ذیل کے قصبات سے مل کر بنا ہے۔

۱۔ نیک شہر کے دیہات

۸۴ آباد، ۴ غیر آباد گاؤں ۔ تعداد آبادی ۷۶۶۳ افراد سب سے بڑا گاؤں بلحاظ آبادی ہیچان ۱۰۹۷ افراد پر مشتمل ہے ۔

۲۔ کُنارک کے دیہات

۴ آباد، ۵ آبادی سے خالی ۹۴۸۶ افراد کی آبادی میں بڑا گاؤں نور آب ہے ۔ جہاں ۵۰۵ نفوس بستے ہیں ۔

۳۔ نگور کے دیہات

۹۷ آباد، ۵ آبادی سے خالی ۱۲۲۷۱ افراد پر مشتمل ان دیہات میں سب سے بڑا گاؤں آبادی کے اعتبار سے عور کی کا گاؤں ہے جہاں ۵۱۹ افراد آباد ہیں ۔

۴۔ قصر قند کے دیہات

۷۵ آباد، ۷ غیر آباد ، کل آبادی ۸۸۲۸ افراد ، ہیت ان میں سب سے بڑا گاؤں ہے ۔ جہاں ۱۰۱۸ افراد رہائش ہیں ۔

۵۔ حومہ کے دیہات

۴۔ آباد ، ۷ غیر آباد ، کل آبادی ۱۷۱۹ افراد پر مشتمل ہے طیس میں ۱۲۵۶ نفوس بستے ہیں ۔

۶- کالگ کے دیہات

۸۰، آباد، ۵ غیر آباد سے تھی ۷۵۱۶، افراد کی کل آبادی کے ان دیہات میں سورو سب سے بڑا گاؤں ہے۔ جس کی آبادی ۴۷۶، افراد ہے۔

۷- تلنگ کے دیہات

۱۰۵، آباد ۷ غیر آباد کل آبادی ۱۲۹۲۸، افراد عور کی آبادی کے اعتبار سے بڑا گاؤں ہے ۹۱۵، افراد کا مسکن ہے۔

۸- باھو کلات کے دیہات

۵۸، آباد، ۵ غیر آباد ۷۰۰۷، اشخاص کی آبادی سب سے بڑا گاؤں شیر گذار ہے۔ جہاں ۹۷۴، افراد آباد ہیں۔

۵- خاش ڈویژن

خاش شہر زاہدان سے ۱۷۵ کلومیٹر فاصلے پر ہے جسے ایک پختہ سڑک زاہدان سے ملاتی ہے۔

بلوچستان میں خاش ڈویژن خوشگوار آب و ہوا کے علاقوں میں ایک ہے۔ جس کا رقبہ بیس ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ شمال مشرق میں ماشکید (ماشکیل) کے علاقے سے متصل ہے۔ شمال مغرب میں زاہدان، مشرق میں سراوان ڈویژن اور

جنوب میں اس کی حدود ایرانشہر سے جاکر ملتی ہے۔
کوہ تفتان جو ایک خاموش آتش فشاں پہاڑ ہے۔شہر خاش سے ۵۰ کلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے۔سال ۱۳۵۵ شمسی (مطابق ۱۹۷۶ء) کی مردم شماری کی رُو سے اس کی آبادی ۵۹،۲۲۴ افراد ہے۔۸۲۳۳ افراد شہری علاقے میں بقیہ اس کے ۲۸۱ دیہات میں پھیلے ہوئے ہیں۔خاش کے باشندے کچھ تو بلوچی بولتے ہیں۔کچھ فارسی میں گفتگو کرتے ہیں مذہباً اہل سنت کے اکثر پیرکار ہیں۔ایک معمولی تعداد اہلِ تشیع کی ہے۔خاش کا پانی گدلا اور معدنیاتی اثرات کی وجہ سے مفید نہیں۔تاہم یہ علاقہ بلوچستان کے سرسبز ترین علاقوں میں سے ہے۔
خاش ڈویژن کی زرعی پیداوار گندم، جو، جوار، پھل اور تھوڑی سی مقدار میں چاول قابل ذکر ہے۔اس علاقے میں لوگوں کی معیشت کا دارومدار زراعت اور گلہ بانی پر ہے۔
خاش ڈویژن ۱/۵ ملین ہیکٹر پر پرندگان، پشکوہ اور ریل کے دیہات پر مشتمل ہے۔

۱۔ چاہ گادی کے دیہات

۱۷، آباد ایک غیر آبادان دیہات کی کل آبادی ۴،۱۰۲ افراد ہے باعتبار آبادی چاہ ہاشمی سب سے بڑا گاؤں ہے۔جس کی آبادی ۱،۱۵۲ افراد ہے۔

۲- تختہ شاب کے دیہات

۲۴، آباد، ۶ غیر آباد، ۵۶۴، افراد پر مشتمل آبادی کے اعتبار سے دہ سہل بڑا گاؤں ہے۔ جہاں ۶۱، افراد بستے ہیں۔

۳- پشتکوہ کے دیہات

۸۷، آباد، ۱۲ غیر آباد، ۸۶۷۹، افراد ان دیہات کی آبادی ہے۔ داد کان سب سے بڑا گاؤں ہے۔ جہاں ۵۷۷، افراد آباد ہیں۔

۴- اسکل آباد کے دیہات

۱۸۳۶، افراد پر مشتمل ۴۳ گاؤں ہیں۔ بڑا گاؤں دہ پابید ہے ۳۷۴، افراد آباد ہیں۔

۵- نوک آباد کے دیہات

۱۱، آباد ۲، آبادی سے خالی ۸۲۹، افراد پر مشتمل ان دیہات میں بلحاظ آبادی سب سے بڑا گاؤں دہ پابید ہے۔ جہاں ۳۵۶ افراد بستے ہیں۔

۶- نازیل کے دیہات

۲۳، آباد، ۳ غیر آباد، کل آبادی ان دیہات کی ۱۳۹۶، افراد

پر مشتمل ہے۔ نازیل سب سے بڑا گاؤں ہے۔ جہاں ۱۷۳ نفوس بستے ہیں۔

۷۔ گوہرکوہ کے دیہات

۳۹ آباد، ۱۰ غیر آباد، ۱۲۲۰ افراد ان دیہات کی کل آبادی ہے آبادی کے لحاظ سے گوہر شہر سب سے بڑا گاؤں ہے جہاں ۸۲۲ افراد آباد ہیں۔

۸۔ کوشہ کے دیہات

۴۴ آباد، ۷ غیر آباد، ان دیہات کی کل آبادی ۴۰۰۳ افراد کی ہے۔ کرت آبادی کے اعتبار سے بڑا گاؤں ہے۔ ۴۶۸ افراد کا مسکن ہے۔

۹۔ کلنگور کے دیہات

۴۲ آباد، ۷ غیر آباد، کل آبادی ۸۴۸ افراد کی ہے۔

۱۰۔ کاروان در کے دیہات

۴۳ آباد، ۷، آبادی سے خالی، آبادی ۴۱۵۸، افراد سب سے بڑا گاؤں کاروان در ہے۔ جہاں کی آبادی ۳۵۸ افراد پر مشتمل ہے[1]

---

[1] خاش ڈویژن کے دیہات کے تذکرے میں فاضل مولف نے نمبر شمار میں ۷ کے بعد ۳ نمبر دیا ہے۔ اس طرح ۱۱ دیہات درج کئے ہیں جو اصل میں ۱۰ دیہات بنتے ہیں تصحیح و حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو کتاب کا صفحہ ۴۸ (مترجم)

باب چہارم

بلوچستان کی تاریخ کا اجمالی تذکرہ

بلوچستان کے ٹھیلوں سے جو آثار دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سے اس سرزمین کی تاریخ تین ہزار سال قبل مسیح تک جا پہونچتی ہے [1] عصرِ حاضر کا بلوچستان جیسے کہ سرپرسی سائیکس نے ہیروڈوٹس کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"داریوش کبیر کا ستروا ثی [2] صوبہ تھا۔ اس بادشاہ نے ہند اور پنجاب کو بھی بلوچستان کی طرح مسخر کیا ہوا تھا [3]"

فردوسی اپنے شاہنامہ کے اشعار میں متعدد مقامات پر بلوچ کا ذکر کرتا ہے۔ نام کہیں کوچ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ جو بلوچ قبیلہ کے جزو کی حیثیت میں روایتاً مذکور ہوا ہے۔ ایک اور دعویٰ اس

۱۔ دائرۃ المعارف بریٹانیکا جلد ۳ ص ۹ ۲۔ یہ شہربان کا ترجمہ ہے جو فارسی قدیم میں شترہ پان ہے۔ ساتراپ بلاحقہ سیں اس کا یونانی تلفظ ہے

طرح ہے کہ وہ دو لفظ ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔
کیخسرو کی فوج میں فردوسی ایک قوم کا کوچ و بلوچ کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔

سپاہے زگرُدان کوچ و بلوچ
سگالندہُ جنگ مانندِ قوچ
کہ کس در جہاں پشت ایشاں ندید
برہنہ یک انگشتِ ایشاں ندید

نوشیروان کی حکومت کے زمانے میں بلوچوں نے مقامی اقوام سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ نوشیروان نے بلوچوں کو اس سے باز رکھنے کے لئے بری طرح گوشمالی کی فردوسی اس واقع کو اس طرح نظم کرتا ہے۔

ہمے آگہی رفت و آمد بشاہ	کہ گفت از بلوچی جہانے تباہ
ز گفتار دہقاں برآشفت شاہ	بسوئے بلوچ اندر آمد ز راہ
چو آگاہ شد لشکر از خشم شاہ	سوار و پیادہ ببستند راہ
بہ شد ایمن از رنج ایشاں جہاں	بلوچی نماند آشکار و نہاں

(ترجمہ) شاہ کے پاس آکر پرچہ نویسوں نے اطلاع دی کہ بلوچوں نے ایک دنیا کو غارت کر دیا ہے۔ اس سے بادشاہ خشمگیں ہوا، اور بلوچوں کی طرف فوج کشی کی۔ جب فوج بادشاہ کے غصے سے مطلع ہوئی سوار اور پیادہ فوجوں نے راستے مسدود کر دیئے۔ اور ان کے خطرات سے دنیا مامون ہوئی۔ بلوچ کوئی بھی بظاہر پوشیدہ نہیں بچ سکا۔ فردوسی

ح۱ - سرپرستی سائیکس کا سفرنامہ - مترجم حسین نوری مطبوعات ابن سینا تہران ۱۳۳۲ھ ص ۱۲۴

کا بیان ہے کہ بادشاہ نے ان کی بہت بڑی تعداد کو تہ تیغ کیا۔ اور ایسے اقدامات کئے کہ بلوچوں کا خاتمہ ہوا۔ شاہنامہ میں ایک اور مقام پر بعد میں افواج کے ایک حصہ[۱] کے طور پر ان کا ذکر کیا ہے

سپاہی بیامد زہر کشوری — ز گیلان و از دیلمان لشکری
ز کوہ بلوچ و ز دشت سروج — گریزاں برفتند گردان کوچ

اسکندر جیسے کہ تاریخ میں مرقوم ہے مکران سے ہو کر گزرا ہے صنیع الدولہ لکھتے ہیں۔

"اسکندر ہندوستان سے واپسی پر بلوچستان سے گزرا اور مکران میں پہونچا۔ اسکندر کے مورخ جو اس کے ملازم بھی تھے۔ اور وقائع نگار اور روزنامچہ نویس کے طور پر ہم رکاب رہے۔ لکھتے ہیں کہ سکندر ساحل سمندر کی راہ سے ژدروزیا (جدروشیا۔ گدروشیا) میں۔ ژدروزیا کا نام یونانی مورخین نے مکران کے لئے استعمال کیا تھا۔ اسکندر کی سپہ بلوچستان میں خوراک کی قلت کے باعث بہت بڑی تعداد میں تلف ہوگئی۔ یا نہایت تکلیف و دشواری کا مقابلہ کرتے ہوئے کرمان کی سرحد تک پہونچے۔"

اسی طرح جارج۔ ن۔ کرزن لکھتے ہیں۔

سکندر کی فوج کشی یا بلوچستان میں اس کے امیرالبحر نیارخوس کی مہم کے علاوہ خطہ گدروزیا کے ساحل ۱۸۰۹ء تک کسی یورپی سیاح

---

[۱] عثمانوف۔ شاہنامہ کا روسی مترجم مطبوعات مشرقی ادبیات ماسکو ص ۹۵

کی آمد کے آثار و احوال نہیں ملتے۔

باستانی پادیزی، قدیم تاریخوں کے برخلاف محققین کی ایک بڑی تعدا
کو یقین ہے کہ گدروزیا کا علاقہ اُن مشمولات کا نام ہے۔ جہاں سے سکن
کا گذر ہوا۔ اسلام کی آمد کے بعد ان علاقوں کو "جدروس" کے موسوم ک
گیا جو عربی میں محرّف و معرّب ہو کر گدروزیا بنا

ایرانیوں کی یزدگرد کے زمانے میں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے زمان
میں شکست کے نتیجے میں یہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ہجرت کے ۲۳
سال بعد عربوں نے کرمان فتح کر لیا۔ عرب جنوب مشرق پہاڑوں میں
بیابان گرد اور صحرا نورد اقوام سے جنہیں قفص (کوچ و بلوچ) اور بلوچ
بلوچ کہا گیا ہے۔ جنگ آزما ہوئے وہ مقاومت کی تاب نہ لاتے
ہوئے عربوں کے ہاتھوں نیست و نابود ہوئے۔

سیاہ سوار بلوچوں کا ایک مشہور سردار جو اکثر ایرانی سرداروں سے
مل کر عربوں کے خلاف برسرپیکار رہا ایک مدت بعد وہ دشمنوں سے
مل جاتا ہے اور ساسانیوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ شاید بلوچوں کی عد
پائیداری دشمنوں کے مقابلے میں اس کی مقتضی رہی کہ نوشیروان نے
جو ساسانی بادشاہ تھا۔ اُن پر حملے کئے۔

شاہ سیستان پرویز ۳۳ھ ہجری قمری میں ربیع بن زیاد کے کمانڈ
عثمان سے صلح پہ آمادہ ہوتا ہے لیکن سیستان کے عوام عربوں کے
شدائد سے تنگ آ کر ان کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ جو قرنوں تک طو
کھینچتی ہے۔ حتیٰ کہ یعقوب لیث صفاری اس مقاومت میں جان ڈال دیت
ہیں۔ چنانچہ خلیفہ بغداد کو ان متعدد حکمرانوں سے مقابلہ کرنا پڑ جاتا ہ

بلوچ قبائل جو طبعاً آزاد رو ہوا کرتے ہیں۔ ظلم و ستم کے خلاف ڈٹ جاتے ہیں۔ امیر معاویہ کے عہد میں مکران کے اکثر علاقے ۶۶۵ء میں فتح ہوئے۔ اور اسلام کی مشرق کی سمت فتوحات یعقوب کی سعادت سے پھیل جاتی ہیں۔

عربوں کی حکومت ہر چند کہ ایران کے جنوب مشرق میں کرمان، مکران اور سیستان میں رہی مگر وہ ان علاقوں کو اپنے زیر تسلط نہ رکھ سکے یہاں ان کی حکومت برقرار نہ رہ سکی۔ اس لئے کہ ان علاقوں کے بارے میں انہیں مکمل معلومات و واقفیت نہ تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عرب بالعموم صحرائی اور بیابان نورد لوگ تھے۔ جبکہ بلوچ قبائل کوہستانی اور جفاکش لوگ تھے عربوں کو انہیں زیر کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ خلفائے اموی و عباسیہ کے زمانے میں کوچ و بلوچ کی غارتگری اپنے عروج پر رہی تھی۔

اپنے جغرافیائی اعتبار سے بلوچستان ایک اہم اور حساس علاقہ اور گذرگاہ ہے۔ ماضی میں ایران کے بادشاہ جن میں دیلمی، آل بویہ، غزنوی اور سلجوق کا نام آتا ہے۔ بڑی تعداد میں بلوچی کو ہلاک کرتے آئے تھے سلجوقیوں کے زمانے میں ملک قاورد جو کرمانی سلجوقیوں کا بانی تھا۔ اس کے جانشینوں نے ۴۳۳ھ تا ۵۸۳ھ قمری کرمان اور اس کے نواح میں حسن تدبر سے بلوچوں کو مطیع کر لیا تھا۔ ملک قاورد کی حکومت میں بلوچستان پر خاصی توجہ دی گئی۔

ملک قاورد ایک منصف مزاج اور عدل پرور حکمران تھا۔ جو کچھ بھی حاصل ہوتا اسے عوام کی بہبودی اور خوشحالی کے لئے خرچ کرتا

ملک قادرد نے درۂ قادرد سے فہرج تک چوبیس فرسنگ کے فاصلے پر (افرسنگ چھ کلومیٹر ہوتا ہے) ہر تین سو قدم پر سنگ میل اور نمایاں رہ نشان بنائے تاکہ سفر کرنے والوں کو بغیر کسی رہنما کے سفر میں آسانی رہے۔ ان نشانات سے اب ایک دو میل کے آثار باقی ہیں عام لوگ غلطی سے انہیں میل نادری کہتے ہیں۔

باستانی پاریزی جو ایک مشہور مورخ تھے "تاریخ سالاریہ" کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں کہ سلجوقیوں کے دور میں ایران سے یورپ، ایشیا اور ہندوستان کا واحد آباد راستہ میناب، جیرفت اور کرمان سے گزرتا تھا۔ بلاشبہ مکران اور تیس کی بندرگاہ تجارتی مقاصد کے لئے اسی سے متصل ہوگی۔ یورپ اور ایران کے تاجر اسی راہ سے تجارتی مال کی نقل و حمل کرتے تھے۔ اس راستے کی ترک کروگی اور ویرانی کا باعث اس علاقے میں زراعت کے لئے ناموافق اسباب خصوصاً تجارتی مقاصد کے لئے ریشم اور اون کی عدم دستیابی رہی اور طغرل اور اس کے جانشینوں میں اختلاف غزوں کی غارتگری کے سیاسی و تاریخی نتائج کو بھی اس میں دخل ہے۔ ان اسباب کے علاوہ چغتائی، مغلوں امیر تیمور گورکانی کے حملوں اور کشت خون کا بھی اس میں ہاتھ رہا ہے صفوی دور میں (شاہ عباس کی حکومت) نے گنج علی خان کو بلوچوں کی سرکوبی پر مقرر کیا۔ صفوی حکمرانوں کے آخری دنوں میں شہداد بلوچ نام کے سردار نے گواشیر (کرمان) پر تصرف کیا۔ لوٹ مار کے بعد علاقے پر قبضہ کر لیا علاقے کے عوام نے دربردہ محمود افغان سے نامہ وپیام کئے اور حفاظت و اعانت کی درخواست کی۔ مگر یہ صورت حال اس علاقے

میں طویل عرصے تک اسی طرح رہی تا آنکہ افغان حکمران نے سلطان حسین کے دور میں صفویوں پر حملہ کیا۔ افغانوں کی فوج میں بلوچ بھی بڑی تعداد میں شامل تھے۔ صفوی بادشاہ شاہ حسین کو محمود افغان نے شکست فاش دی۔ کرمان میں ایک اقلیت زردشتوں کی اپنے عہد کے تنگ نظر علماء سے متنفر تھی۔ وہ ان چیرہ دستیوں کے مقابلے میں افغانوں کی حامی اور اُن کی حکومت کو پسند کرتی تھی۔ وہ محمود اور اشرف افغان کی خون ریزیوں کو صفوی حکمرانوں کی متعصبانہ پالیسی پر ترجیح دیتے تھے جو درباری خواجہ سراؤں اور علماء کی طرف سے ان پر روا رکھی جاتی تھی۔

کچھ عرصے کے بعد نادر شاہ افشار نے اصفہان کے مورت نامی محاذ پر اشرف افغان کو ذلت آمیز شکست دی۔ اشرف افغان میدان جنگ سے فرار ہوگیا۔ راہ میں بلوچوں نے اسے آلیا۔ اور اشرف افغان اور اسکے ساتھیوں کو لوٹ لیا۔ ابراہیم بلوچ نے زمرد کوہ کے مقام پر اشرف افغان کو تہ تیغ کردیا۔

طہماسپ قلی خان کے عہد میں صفویوں کا آخری شہزادہ میر محمد بگلر بیگی محبت خان کی معیت میں جو عبداللہ خان کے اجداد میں سے تھا۔ اور "گر" کا آخری حکمران تھا۔ جیرفت کی راہ سے بمپور پر حملہ آور ہوا۔ ملک شیر خان جو صفاریوں کا عقاب کہلاتا تھا۔ پہج اور خاران پر یلغار کی تیاریاں کرنے لگا۔ "چیل نادری" (جو پتھروں سے تعمیر کردہ مینار[2] ہے۔ جو مسافروں کی رہنمائی کے لئے بنایا گیا ہے[1]

[1] دائرۃ المعارف بہ سرپرستی غلام حسین مصاحب ص - ۳۴۲
[2] بلوچی میں ایسے نشانات کو "سنگر" کہا جاتا ہے۔

کے مقام پر سخت مقابلہ ہوا۔ ملک شیر خان نے دلاوری اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔ بالآخر اس جنگ میں مارا گیا۔ شیر خان کے ساتھ سو سپاہی مارے گئے۔ اور باقیماندہ فوج نے راہ فرار اختیار کی

ملک اسد شیر مقتول شیر خان کا بیٹا تھا۔ باپ کی ہلاکت کے بعد اُس نے بمپور کو مستحکم کیا۔ اور مقابلے میں نکل آیا۔ تاہم ایرانیوں نے اس کے اندازوں کے برخلاف پیش قدمی نہیں کی۔ بلکہ فہرج کا قبضہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ بہت عرصہ نہیں گذرا تھا۔ کہ لاشا نے حکومت پر قبضہ کیا اور امیر محبت خان نے قصر قند کے تخت پر جلوس کیا۔ اور علاقے پر متصرف ہوا۔

ان واقعات کے بعد پیر محمد نے جنوب کا رُخ کیا اور طبس پر جا کر قبضہ کر ڈالا۔ تاہم واپسی کے وقت اُس کی فوج میں ایک خاصی تعداد پیاس کے مارے ہلاک ہوگئی۔ چند سال بعد توپ و تفنگ کی مدد سے جالق پر یورش کی۔ اس کے قلعے اور عمارات کو اس درجہ نقصان پہونچایا کہ اس کی زیاں کاری کی یادیں اب تک اہل جالق کے دلوں سے محو نہیں ہو سکیں ہیں۔

نادر شاہ نے اپنی دور حکومت میں خطۂ سندھ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ رحمر کوٹ، خدا یار خان کے حوالے کر دیا تھا۔ دوسرا حصہ شاہ قلی کو تیسرا حصہ جو بلوچستان سے ملحق تھا۔ میر محبت

۱۔ مرپرسی سائکس کا سفر نامہ ص ۱۳۹ ۲۔ میرزا مہدی خانۂ آستر آبادی تاریخ جہانگشائے نادری انجمن آثار ملی تہران اشاعت ۱۳۴۱

خان حاکم بلوچستان کے حوالے رہا ۔ شکارپور اور اس کے مواضعات اس علاقے کے خوانین کو عطا کر دیے گئے ہ

نصیر خان براہوئی حاکم قلات نادر شاہ کی سلطنت کے اواخر میں نہایت قوت و سطوت اختیار کر گیا تھا۔ نادری دور کے آخری ایام میں مشرقی بلوچستان میں اپنی طاقت مستحکم کرنے کے علاوہ اسے بمپور اور قصر قند تک توسیع دی ہے۲

نادر شاہ کے قتل اور ناصر الدین شاہ کی حکومت کے درمیانی وقفے میں ایران کی مرکزی حکومت کا بلوچستان میں اثر و نفوذ نہ تھا۔ بلوچوں کے سردار اور خان ہر ایک بلوچستان کے کسی حصے پر متصرف رہے اور اپنی استطاعت کے مطابق خود کو مستقل کرنے کی کوششوں میں تھے۔ مظفر الدین شاہ کی حکومت کے دنوں میں جبکہ حکومت پر ضعف آچکا تھا۔ اور نہایت منتشر حالت میں تھی شیعہ اور سُنّی کے بہانے بلوچستان میں اس کے عمال نے ظلم و بربریت کا بازار گرم کئے رکھا۔ ایسے ہی اقدامات کے نتیجے میں اس حکومت کے مقرر کردہ حکام بلوچستان میں پیر نہ ٹکا سکے۔ اس کی وجہ سے حکومت قاچار کے عہد میں بلوچوں کو تھوڑی بہت فرصت مل کر مرکزی طاقت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ خود کو مضبوط بنائیں اس بات پر پوری طرح اتفاق پایا جاتا ہے۔ کہ قاچار دور میں چونکہ بلوچوں پر ظلم و ستم روا رکھے گئے۔ انہوں نے حکومت سے دستِ تعاون کھینچ لیا

۲ے خان نصیر کا دور نادر شاہ کی قتل کے بعد شروع ہوتا نہ کہ اواخر نادر شاہی میں۔ سکار رضا علی ۔ دیوان بیگی۔ ص ۵۱ شمارہ ۳۸

اور بجاری محصولات جو وہ ادا کرتے تھے۔ ان کو ملحوظ خاطر رکھ کر اجتماعی کاموں میں خصوصاً تعلیم بہبود اور راستوں کے تحفظ سے انکار کر دیا تھا بلکہ طاقت کے استعمال کے مقابلے میں اس قوم نے سرکشی سے کبھی احتراز نہیں کیا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر محمد شاہ قاچار کی فرمانروائی کے دور میں حبیب اللہ خان جو امیر توپ خانہ کے نام سے مشہور رہے۔ انگریز حکام کی معیت میں بلوچستان میں قبضہ کرنے اور وہاں مرکزی حکومت کو تقویت بخشنے کا قصد کئے عازم بلوچستان ہوا۔ بمپور کا قلعہ جو بلوچ رؤسا کی اہم ترین پناہ گاہ تھا۔ حبیب اللہ خان نے اس کا محاصرہ کیا۔ اور چند توپیں جو ساتھ لایا تھا۔ ان کی مدد سے قلعہ فتح کر لیا مدافعت کرنے والوں کو گرفتار کر لیا۔ قلعے پر قبضہ کے بعد ایک دن جبکہ حبیب اللہ خان شکار کے لئے قلعے سے باہر جا چکے تھے۔ اس کے لشکریوں نے ایک بلوچ عورت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ بلوچ اپنی عزت اور اپنی بہو بیٹیوں کے ناموس پر کٹ مرجاتے ہیں اس واقعہ سے مشتعل ہوئے۔ انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جب تک اُن کا ایک بھی فرد زندہ ہے وہ لڑیں گے۔ پہلے قدم کے طور پر انہوں نے حواتین کو اپنے ہاتھوں قتل کر ڈالا۔ بعد ازاں وہ روائتی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مقابلے میں نکل آئے۔ اس جنگ میں ان کی بہت بڑی تعداد مقتول ہوئی اور حکومت کی فوج نے فتح پائی۔ امیر توپ خانہ نے زخمیوں کو قتل کر دیا۔ اور اسیران جنگ کو اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ سپاہ جب بلوچستان سے لوٹی بدقسمت بلوچ قیدیوں کو جن میں مرد عورتیں اور

جوان لڑکیاں تھیں ۔ آذربائیجان عراق زنجان ، یزد اور فارس میں

بیچ ڈالا گیا ۔ محمد شاہ کو امیر توپ خانہ کے اس اقدام سے صدمہ ہوا ۔

بادشاہ نے امیر توپ خانہ حبیب اللہ کو تہران میں نظر بند کر دیا اور

بلوچ و قوم کی تالیف قلوب کے لیئے عباس قلی خان کو جو مہربان اور

صلح کل شخصیت تھی ۔ بلوچستان میں مقرر کیا ۔ عباس قلی خان نے ۳۸۰۰

بلوچ قیدیوں کو اُن کے خریداروں سے خرید کر بلوچوں کے معززہ

اور سفید ریش محمد خان کے حوالے کیا ۔

اس سلسلے میں ناصرالدین ہی کے عہد میں میرپنج عبداللہ خان ابن محمد حسن خان ایروانی سردار بلوچستان پر لشکر کشی کرتا ہے اور سوریچ تک بڑھ آتا ہے ۔ دین محمد خان بلوچ اپنے ساتھ دیگر بلوچ معتبرین کو لئے ہوئے استقبال کرتا ہے ۔ بہت ساری بھیڑیں نذر کرتا ہے ۔ جنہیں عبداللہ خان قبول کرنے کے بعد بدعہدی کرتے ہوئے قصر قند تک قتل و غارت گری کرتا ہے ۔ اس کے بعد موسیٰ خان قاچار اور امام علی خان سرتیپ بھی غارتگری میں بہت بڑھے ہیں ۔

ان ناگوار واقعات کی وجہ سے کہ ہمیشہ بلوچستان کے لوگوں کو مصائب کا سامنا رہا ان کی اجتماعی پیداواری صلاحیت سماجی اور اقتصادی حالت متاثر ہوتی رہی ۔

بلوچوں پر قاچار کی جانب سے جو ظلم ، ناالضافی اور غارتگمری روا رکھی گئی وہ ضرب المثل بن چکی ہے ۔ جب بھی کوئی کسی پر ناروا ظلم توڑتا ہے ۔ تو بلوچی میں کہتے ہیں ۔ مجھ پر ایسا ظلم ہوا ہے ۔ کہ قاچار

نے بھی کسی پر کیا گیا ہو گا۔"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بلوچوں کو قاچار نے کیوں اس طرح تہہ تیغ کیا۔ اس کا معروضی سبب یہ نظر آتا ہے کہ اپنے ابتدائی ادوار میں۔ قاچار بھی بلوچوں کی طرح قبائلی اور صحرائی زندگی گذارتے رہے تھے قتل و غارتگری، شورش و بغاوت کے صدمات سہتے آئے تھے اور ان وجوہات سے بخوبی آگاہ تھے کہ چھوٹی بڑی بغاوتوں کے اسباب کیا ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے بلوچستان میں جہاں کہیں کبھی شورش نے سر اٹھایا اس نے اسے بے رحمی اور شدت سے دبا ڈالا۔ فتح علی شاہ قاچار جسے مختلف محاربوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیشہ قبائل کی طاقت سے خوفزدہ رہا تھا۔ مبادا ان میں سے کوئی اس قدر طاقت حاصل نہ کر جائے کہ اس کی حکومت چھین ڈالے۔ جونہی اسے اندازہ ہوتا کہ کسی کو قوت حاصل ہو رہی ہے وہ بلا تاخیر اس کی طاقت حملہ کر کے منتشر کر دیتا۔ اور بیخ کنی کر ڈالتا۔

ایک سبب یہ بھی تھا کہ قاچار کے عمل دخل سے پہلے صفوی عہد کے آواخر میں افغان اور بلوچوں کے درمیان گہرا ربط و ضبط تھا۔ شاہان قاچار کی کوشش رہی کہ بلوچ افغانوں سے جن کی ایران میں حکومت گذر چکی تھی۔ ربط و ضبط نہ بڑھائیں۔ بلوچوں کو اس طرح مغلوب رکھا جائے تاکہ محمود افغان کا واقعہ نہ دہرایا جا سکے۔

لیکن سال ۱۳۰۰ تک مرکزی حکومت کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بلوچ خوانین کو کس طرح قابو میں رکھے۔ جو اس سے باغی ہو چکے تھے۔ جیسے کہ میر دوست محمد خان باران زئی بلوچ مشرق افواج اس کی سرکوبی کے

لے لی بھجوائی گئیں۔ ایک انتظامی کوشش کے نتیجے میں درست محمد خان بلوچستان کے بارے میں متعدد نکات پر اتفاق کے بعد راہ پر آیا۔

ان پراگندہ حقائق و احوال کا پرتو بلوچستان میں اکثر دیکھا گیا۔ چنانچہ سال ۱۳۱۰ء میں جمعہ خان اسماعیل زئی، عمال حکومت سے برسرپیکار رہا۔ شکست کے بعد فرار ہوکر پاکستان پہنچا۔ گرفتار ہوکر ایران حکومت کے حوالے کر دیا گیا۔ رضا شاہ نے تہران میں معافی دے دی۔ بلوچستان مراجعت کے بعد یہ طائفہ تاریخ میں داد بخش کے نام سے موسوم ہوا۔

مندرجہ بالا حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے طویل دور میں مختلف مشرقی اقوام کی طرح بلوچ خودسر اور استحصالی حکومتوں کے ظلم وستم کا شکار رہا ہے۔ امیرالامراء کے زمانے میں اس سے پہلے شہنشاہیت کے حق میں سرداروں کی جانب سے مسلسل و متواتر ستم رسانی اور ختم نہ ہونے والے مظالم اس قوم کے جسم اور روح میں اس طرح سرایت کر گئے ہیں۔ کہ اس کے اثر سے بلوچ آج بھی تند خو اور کینہ جو ہے تاہم اعتماد میں پختہ اور مغلوب محبت و الفت بھی ہے۔

تاریخ سیستان پر ایک نظر

سیستان کی تاریخ کے بارے میں بہت سے افسانے زبان زد عوام ہیں۔ ایسے دلچسپ افسانوں کا پڑھنا خالی از لطف نہیں۔ ازاں جملہ ایک افسانہ یوں ہے کہ گرشاسپ نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ جب شہر زرنگ

کی تعمیر مکمل ہوئی تو ضحاک گرشاسپ کا مہمان تھا۔ ضحاک کی عادت تھی کہ وہ جنس لطیف کے ہجوم میں بیٹھ کر مے نوش کرتا۔ اس دور میں حرم سرائے زنانہ کے لئے شبستان کا لفظ مستعمل تھا۔ ضحاک اس رات بہت پی گیا۔ عالم مستی میں اپنی عادت کے مطابق شبستان کا مطالبہ کرنے لگا۔ گرشاسپ نے جو اس کی عادات سے واقف تھا۔ جواب دیا شبستان یہاں کہاں ہے یہ تو سیوستان ہے۔ سیوستان مردوں سے معمور ہے عورتوں سے نہیں۔ ضحاک شرمسار ہوا کہنے لگا اے پہلوان تو نے سچ کہا ہم سیوستان میں ہیں شبستان میں نہیں۔ اس زمانے میں "سیو" قوت مند و مضبوط شخص کے لیے استعمال ہوتا تھا اس لئے کہ یہ بہادروں اور پہلوانوں کا مرکز تھا۔ اسے سیستان کہا گیا۔

اس علاقے کے اصلی باشندوں کے بارے میں تحقیقات نہیں کی گئی ہوں گی۔ چنانچہ حقیقت حال واضح نہیں۔ چند ایک محققین کا خیال ہے کہ اس علاقے کے حقیقی باشندے سیستانی شکاری ہیں۔ جو ہامون کے جنوب اور نیزار میں بس رہے ہیں۔ ان کی ایک مخصوص زبان ہے۔ موسم گرما میں ماہی گیری اور سرما میں پرندوں کے شکار پہ گذر بسر کرتے ہیں۔

ہنجا منشوں کی حکومت کے خاتمے اور اشکانیوں کے برسر اقتدار آنے کے دنوں میں سکا کا ایک عظیم گروہ جو آیاؤں میں سے تھے بحیرہ خضر کے آس پاس سے ۱۳۰ قبل مسیح وسطی ایشیا سے وارد ایران ہوئے کرکوک کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ ان کا نام سیستان میں اب تک باقی

حا غلام حسین مصاحب دائرہ المعارف

حا۲ ایران کوئٹہ اور قندھار کو ملاتا ہے۔

ہے۔ آراکسیا سے درۂ بولان کے راستے سے درۂ بولان کے راستے ہندوستان کی جانب رُخ کیا۔ ایک مختصر مدت کے لئے اپنی شہنشاہیت کو دہلی اور بمبئی تک وسعت دی۔[1]

زرنگ کا علاقہ (درانگیانا) قدیم الایام میں ہخامنشی شہنشاہیت کا حصہ رہا۔ جس کا تذکرہ بستیوں کے کتبوں (تخت جمشید) میں داریوش کے مشرقی مقبوضات میں موجود و مذکور ہے۔

ساسانیوں کے زمانے میں اردشیر بابکان نے جو ساسانیوں کا تاسیس کنندہ تھا۔ سکستانہ کو فتح کیا۔ تاہم ساسانی دور میں سکاہوں کا ربط وضبط حکومت کے نزدیک انفرادی نہیں بلکہ ایک ملت کے طور پر رہا۔ اسی دور میں مسیحیت نے سکستان میں راہ پائی۔ طلوع اسلام کے بعد یزدگرد سوم نے شکست کھا کر کرمان سے سیستان کی جانب راہِ فرار اختیار کی۔ حضرت عثمان بن عفان کی خلافت میں فارس کی حکومت پر عبداللہ بن عامر بصرہ پہنچے۔ عبداللہ بن عامر نے مجاشے ابن مسعود السلمی کو یزدگرد کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مجاشے نے شیرجان پہ قبضہ کیا۔ اور سال ۳۰ھ میں سیستان کی فتح پر مامور کیا۔ مگر مجاشے سیستان فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور مجبوراً مراجعت کی۔ عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمانؓ کے ایما پر ربیع ابن زیاد بن الحارثی کو ایک فوج دے کر سیستان کی فتح پر مامور کیا جو بہرہ (موجودہ کرمان) پہنچا۔ بہرہ اور جالق صلح کے ذریعے حاصل کرنے کے بعد متوجہ سیستان ہوا۔

---

[1] بولان کوئٹہ اور قندہار کو ملاتا ہے

جنگ ہوئی۔ سیستان کے باشندے اور عرب بکثرت مارے گئے۔ تاریخ سیستان کی رو سے "مسلمانوں سے زیادہ تعداد ہلاک ہوئی۔ دوسری مرتبہ مسلمانوں نے حملہ کیا۔ سیستان کے باشندے شہر کو لوٹ آئے بعد ازاں شاہ سیستان نے ایران بن رستم۔ بن آزاد خو بن بختیار کو جو سب سے بڑے کاہن تھے اور دوسرے زعماء کو طلب کیا اور کہنے لگا۔ ایسا کام نہیں جو دنوں، سالوں یا ہزار سالوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ کتابوں میں مذکور ہے یہ دین اور یہ زمانہ سالہا سال پر محیط ہے۔ جنگ اور قتل و مقاتلہ کو اس صورتحال سے بدلا نہیں جا سکتا۔ مشیت ایزدی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور تدبیر یہ ہے کہ صلح کی جائے۔ سب نے اس پر اتفاق کیا۔ بادشاہ نے ایلچی بجھوایا کہ ہم جنگ سے عاجز نہیں ہیں۔ کہ شہر بہادروں اور پہلوانوں کا مسکن ہے۔ یہ ثابت ہے کہ آپ کا راہ خدا میں نکل آنا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس حکومت کا دوام برحق ہے۔ ہم نے کتابوں میں پڑھ رکھا ہے کہ آپ کا دین اور آپ کی حکومت طویل زمانوں تک رہنما ہے بہتر یہی ہے کہ باہم صلح کرلیں تاکہ دونوں طرف سے قتل عام بند ہو جائے ربیع نے ایلچی کا پیغام سنا اور کہا عقلمندی کی بات بھی یہی ہے جو دہقانی کہہ رہا ہے (ایران میں بزرگان اسلام کے لئے دہقانی کا نام مستعمل تھا۔ ہم جنگ سے صلح کو پسند کرتے ہیں اور جنگ پر صلح کو ترجیح دیتے ہیں۔ سب کے لئے فرمان امان جاری کیا گیا۔ لشکریوں کو حکم دیا گیا کہ اسلحہ اور ہتھیار ڈال دیں کہ کسی کو آزار نہ پہنچنے پائے۔ جس کا جی چاہے آئے اور جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم دیا۔ اس کے

کہ مقتولین جنگ کی لاشوں کو جمع کرکے ایک
تخت گاہ بنائی جائے۔ تکیہ کے لئے بھی لاشیں استعمال کیں ان پر
بچھونے ڈالے گئے ربیع اس پر بیٹھا ایران بن رستم خود، دوسرے
زعماء اور کاہن پیش ہوئے۔ جب لشکرگاہ میں داخل ہوکر اور
تخت کے قریب آکر انہوں نے وہ نظارہ دیکھا تو کہنے لگے۔
" سنا ہے۔ کہ شیطان دن کی روشنی میں نظر نہیں آتا۔ یہاں دیکھئے!
شیطان موجود ہے۔ اور اسمیں کچھ بھی شک نہیں ہے۔" ربیع نے
پوچھا۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ترجمان نے ان کی گفتگو بیان کی ربیع
ہنس دیا تب ایران بن رستم نے دور ہی سے اس پر تحسین کی اور
کہا ہم اس تخت گاہ پر نہیں آئیں گے۔ جو پاکیزہ نہیں ہے۔ جہاں وہ
کھڑے تھے وہیں بچھونے، بچھائے اور بیٹھ گئے۔ اور اس بات
پر سمجھوتہ ہوا کہ امیر المومنین کی خدمت میں سالانہ ہزار ہزار درہم
بطور خراج دیا جائے گا۔ اور اس مرتبہ ایک ہزار باادصاف ایسے
غلام جن کے ہاتھوں میں جام زرنگار ہوگا۔ اور جن کی مسیں ابھی تک
بھیگی نہ ہوں نذرانے میں دیئے جائیں گے۔ سمجھوتے کے بعد ربیع اٹھ
کر قصبے میں داخل ہوئے۔ چند روز تک ستانے کے بعد خاش
کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے بُست کی سمت گئے مگر زیادہ مدت
نہیں گذری تھی کہ سیستان نے عربوں کے فرمان سے سرتابی کرتے
ہوئے ربیع کے نمائندے کو سیستان سے نکال باہر کیا۔
جن دنوں شاہ سیستان اور منتخب زعمائے سیستان نے
ربیع بن زیاد سے صلح کی۔ اس سمجھوتے کو اہل سیستان کی حمایت حاصل

نہ تھی بلکہ زعمائے سیستان نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے یہ سمجھوتہ کیا تھا۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں "جہاں کہیں ایک طاقتور قوم کسی ملک پر قابض ہو جائے اس کے شرفا اور عمائدین فی الفور اس کے بااثر طبقات سے دوستی کر لیتے ہیں" جب حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا۔ حضرت علیؓ بن ابو طالب نے عبدالرحمٰن سمرہ نام کے شخص کو سیستان کی حکومت پر بھجوایا ۳۲ھ میں حضرت معاویہؓ نے بالترتیب عبداللہ بن کریز ربیع الحارثی عباد بن زیاد اور ۶۲ھ میں ابوعبیدہ بن زیاد کو جو زیادہ کا دوسرا بیٹا تھا حاکم سیستان مقرر کیا سال ۷۳ھ تک متعدد حکمرانوں نے سیستان پر حکومت کی۔ اسی سال عبداللہ بن امید حاکم سیستان ہوا عباسیوں کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور نے معن بن.. کو سیستان کی حکومت تفویض کی زائدہ نے شدید مظالم کئے اور خوارج کی مدد سے مارا گیا۔ معتصم باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہارون بن محمد بن ہارون بن ابوجعفر جانشین خلافت ہوا۔ اس نے عبداللہ بن طاہر کو حکومت سیستان و خراسان پر فائز کیا۔ عبداللہ نے انتقال کیا۔ خلیفہ نے سیستان و خراسان کی حکومت کا فرمان طاہر بن عبداللہ کے لئے جاری کیا۔ طاہر نے ابراہیم کو سیستان کی حکومت دی اور اس کے بیٹے کو بست

ط بست ایک ویران شہر جو موجودہ افغانستان کے جنوب میں دریائے ہیرمند وارغنداب کے آس پاس ہے یہ شہر اشکانیوں کے دور سے متعلق ہے علاؤالدین غوری نے غزنی کی تاخت و تاراج (یعنی جہاں سوز) کے بعد بست کو تباہ کیا تھا اس کے محلات اور عمارات جلا ڈالے تھے امیر تیمور اور اس کی سپاہ نے اس شہر کو پھیلتا برباد کر ڈالا۔ اس کا قلعہ نادر شاہ نے تباہ کر دیا اب بست کا قلعہ اور بازار باقی رہ گئے ہیں۔

کا حاکم مقرر کیا[1]

اہلِ سیستان نے اس طویل مدت میں اغیار کا تسلط قبول نہیں
کیا وہ ہمیشہ موقع کی تاک میں رہے کہ عربوں کو سیستان سے ہی
نہیں ایران سے بھی بیدخل کریں۔ تاہم اس نبرد آزمائی کے کچھ اسباب
بھی تھے۔

اسلام کا ورود سیستان میں فقراء اور غرباء سے اخوت و برابری کا سلوک
کرنے کی بجائے خشونت و بدسلوکی کا رہا شاہ سیستان اور ربیع بن زیاد
کے درمیان جو سمجھوتہ قرار پایا تھا۔ اس میں ہزار ہزار درہم کا مستحق اہلِ
سیستان کو ٹھہرایا گیا۔ اس زمانے میں سیستان حاکم خراسان کے ماتحت
تھا۔ چنانچہ سیستان کے لوگوں کو ایک طرف عربوں کے اور دوسری
جانب خراسانیوں کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ مزاج میں خشونت اور
تیسری صدی ہجری کے اوائل کی خشک سالی سیستانیوں کے لئے اتحاد
و معاونت اور عیاروں کے لئے سیستان کی دھرتی پر بہترین رفت
کا باعث بنی۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ فتنہ پردازوں نے دلیر اور جری
اصحاب کو جو مقاومت میں کمربستہ رہے۔ ایسی ترغیبات دیں کہ وہ
حکومت و ثروت کا خیال دلوں سے نکال دیں۔
مرکزِ خلافت سے دور ہونے کے باعث اور صحرائی خطے کے طبیعی
موانعات کے سبب سیستان کے رہنے والے مشرقی خطوں کی بہ نسبت
عربوں کے خلاف تخریب کاری اور نبرد آزمائی میں بھی اور زردشتی مذہب
کے رسوم و آداب کی حفاظت میں بھی آگے رہے ہیں سیستانی
زعماء سے عثمان بن النضر نام کی ایک شخصیت احمد بن ابراہیم القوسی

[1] تاریخ سیستان صفحہ ۸۵۔

سے بھڑ گیا۔ اُس نے سلیمان بن بشیر الحنفی کو ایک بڑی
فوج دے کر دلیر جنگ سواروں کے ساتھ فتنہ فرو کرنے بھیجا۔ ابن
سیستان اس جنگ کے نتیجے میں گرفتار ہوا۔ اُسے قتل کر کے اس کا
سر سیستان بھجوا دیا گیا۔ ابراہیم کے حکم سے اُس کا سر سولی پر رکھا گیا۔
لوگوں میں اس سے اشتعال پھیل گیا انہوں نے وہ سر اتار کر دفنایا۔ اس
کے بعد احمد قولی نام کا ایک شخص بست سے اُٹھا سیستان کے لوگوں
نے اُسے احمد بن ابراہیم القوسی سے جنگ پر اُکسایا۔ احمد قولی فرار
ہوا۔ زیادہ مدت نہیں گذری تھی۔ عثمان کا بھائی صالح بن النضر نے
حاکم سیستان بشار بن سلیمان پر فتح پائی۔ سال ۲۳۹ھ میں زرنج
کا شہر صالح کی حمائیتوں کے ہاتھ آیا۔ صالح نے والی اور اُس کے
اعمال و اعیان کے سیستان میں واقع محلات و عمارات کو تباہ کرنے
کا حکم دیا تاہم یعقوب نے اجازت نہ دی۔

یعقوب لیث اور سیستان کے سواروں نے کہا ہم تب جنگ
کریں گے کہ ہم شہر کی حفاظت کریں گے۔ کہ اس سے مقصود دین کی تقویت
ہے۔ صالح سیستانی الاصل تھا۔ مگر بست میں پرورش پائی تھی
انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ کون ہوتا ہے کہ سیستان کے عمائدین
کی تباہی پر اُسے ہزار ہزار درہم حاصل ہو [1]

صالح نے یعقوب کی رفاقت ترک کی اور فرار ہوا ان دونوں کے
درمیان بہت بڑی جنگ ہوئی صالح کو شکست ہوئی اور اس کا تمام مال
و اموال یعقوب کے ہاتھ آیا۔ جن دنوں یعقوب اور اس کا بھائی صالح
سے مصروف جنگ تھے۔ زرنج کے رہنے والوں نے درہم بن النضر

[1] تاریخ سیستان ص ۱۱۲

کو بہتر مقرر کیا ۔ یعقوب نے بالآخر اسے گرفتار کر لیا ۲۵ محرم سال ۲۶۱ھ میں اہل سیستان نے یعقوب سے بیعت کی ۔ یعقوب سے پہلے جس شخص نے علم بغاوت بلند کیا تھا ۔ اور اس کی مخالفت کی تھی ۔ اس کا نام حمزہ بن عبداللہ الخارجی تھا ۔ جس نے اپنے حمائیتوں اور ساتھیوں کی مدد سے خلیفہ کے عملے کو شکست دے کر خراج کی ہارون کو ادائیگی میں مانع رہا[1]

مقارن یا صفاریوں کا قیام اور زرنج کے صاحب اقتدار یعقوب کا عروج خلافت عباسیہ کے قلمرو میں غلاموں کے رہنما کی اعانت کا مرہون منت ہوا کہ ان کی تعداد صرف عراق کے علاقے میں (بین النہرین کے حصے میں) پندرہ ہزار لکھی گئی ہے وہ خلیفہ کے عمال پر عراق و ایران میں پوری قوت سے ضرب لگاتے رہے ۔

مقام افسوس ہے کہ زرنج کے حاکم نے یعقوب کو پیغام بھجوا کر یہ پیشکش کی کہ خلیفہ کے خلاف جنگ میں اس کی مدد کرے یعقوب نے ازراہ تعصب و خود غرضی اس دعوت کو رد کر دیا ۔ یعقوب کا یہ اقدام اس کی حربی زندگی کا ایک مشتبہ پہلو خیال کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح خلیفہ کی مخالفت میں یعقوب کی سامانیوں سے دوستی اس کی ایک اور غلطی سمجھی جاتی ہے ۔ یعقوب نے خاندان طاہریہ کو سیستان ہرات ، کابل ، بست اور زرنج سے اکھاڑ ڈالا ۔ نیشاپور پر حملہ آور ہو کر محمد بن طاہر اور اس کے ندماء اور خواص کو گرفتار کر لیا ۔ یہ

[1] ۔ مرتضیٰ راوندی تاریخ اجتماعی ایران ۔ جلد دوم صفحہ ۲۰۱

واقعہ شوال ۲۵۹ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اسی کے ساتھ ہی خاندان طاہریہ کی حکومت ختم ہو گئی۔ یعقوب عبداللہ بن صالح کے تعاقب میں طبرستان تک گیا۔ اور اس سے ایک شدید جنگ لڑی گرفتار کر کے ہلاک کر دیا۔ سیستان کی جانب مراجعت کیوقت فارس پر تصرف کا قصد کیا اور فارس کی راہ لی۔ محمد بن واصل سے اس کی جنگ ہوئی محمد کو شکست ہوئی اور یعقوب نے فارس پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ اور یعقوب کے درمیان جنگ چھڑ گئی مگر سیستان کا پایوژ سردار یعقوب افسوسناک شکست سے دوچار ہوا بمشکل جان بچا کر جندی شاپور پہنچا اور بستر علالت پر دراز ہوا۔

یعقوب اس علالت سے شفایاب نہ ہو سکا۔ پیر کے دن دسویں شوال ۲۶۵ھ میں جندی شاپور میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوا۔

یعقوب نے ۱۸ سال امارت کی اور ایک دن بھی آرام و تن آسانی میں نہیں گذارا عباسی خلیفہ کے ہاتھوں یعقوب کی شکست بلاشبہ اس عہد کا ناگوار ترین واقعہ قرار دیا جاتا ہے۔ یعقوب اگر تدبیر و سیاست سے کام لے کر اس دور کے دیگر رہنماؤں سے خصوصاً مذہب کے معاملے میں مفاہمت کرتا۔ حق و باطل کے موازنہ سے استفادہ کرتا۔ وطن پرستی کو نظر انداز کر کے ایران سے عربوں کے استحصال پر اصرار نہ کرتا وہ ایران کی تاریخ کی نامور شخصیات میں سے ہوتا۔

یعقوب کی وفات کے بعد اس کا بھائی عمرو لیث جانشین ہوا۔

عمرو لیث خلیفہ کے معتمد کا فرمان بردار ثابت ہوا اور انتہا۔ فرمانبرداری وخاکساری میں سیستان طبرستان، کرمان، اصفہان، ہند اور سندھ اور ماوراالنہر کے علاقے اُسے دے ڈالے۔ عمرو لیث ۲۸۷ھ قمری میں اسماعیل کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اسماعیل سامانی نے خلیفہ بغداد کے حوالے کر دیا۔ عمرو لیث بغداد میں ۲۸۹ ہجری میں قید کی حالت میں بھوکا رکھے جانے کے باعث انتقال کر گیا۔ اس دن سے ہی صفاریوں پر زوال آنا شروع ہوا خلف بن احمد کو سلطان محمود غزنوی نے گرفتار کیا۔ اور گرگان کے زندان میں ڈالدیا وہ بھی سال ۳۹۹ھ میں فوت ہوا اس کے بعد سیستان کی تاریخ میں خاندان صفاری سے کوئی بھی نامور پیدا نہیں ہوا۔

سال ۶۳۱ھ ہجری تک جبکہ سیستان مغلوں نے فتح کیا۔ چند در چند لوگوں نے سیستان پر حکومت کی۔ مغلوں نے جب سیستان پر قبضہ کیا تھا۔ اس دور کے حاکم ملک نیالتگین کو قتل کر دیا تھا۔ سلجوقیوں کے دور میں اعقاب خلف طاہر نے امیر سلجوق کی جانب سے سیستان کی حکومت پائی۔ چند ایک مورخین طاہر کو سیستان کے کیانی بادشاہوں کے سلسلے کا پہلا شخص قرار دیتے ہیں۔ مغلوں کے حملوں سے سیستان میں خوف وہراس پھیلا۔ تاریخ سیستان میں مغلوں کے جانے اور اس سرزمین کا اس زمانے تک جبکہ یہ سلاطین آل کرت[۱] کے قلمرو کا حصہ بنی تھی۔ کچھ معلومات نہیں ملتیں۔

[۱] آل کرت، اسلاف کا ایک سلسلہ جو ۶۴۳ھ سے ۷۸۳ھ تک خراسان میں حکمران رہا۔ ہرات پایہ تخت رہا۔ امیر تیمور نے آل کرت کا صفایا کر ڈالا

سال ۷۸۶ھ ہجری میں امیر تیمور نے سیستان پر حملہ کیا - اس جنگ میں امیر تیمور کی بائیں پیر کی ایڑھی اور بایاں شانہ زخمی ہوا- ابن عربشاہ لکھتے ہیں کہ عہد جوانی میں بھیڑیا کا شکار کھیلتے ہوئے پاؤں میں تیر لگا تھا- جس کی وجہ سے وہ لنگڑا ہوا- تیمور نے سدِ رستم کو نقصان پہونچایا اور بہت سی آبادیوں کو ہم رنگ زمین کیا - سد رستم کو جسے امیر تیمور نے تباہ کر دیا تھا- د بعضے مؤرخ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس بند کو میرزا شاہرخ نے نقصان پہونچایا ۔ اس کے بعد کوئی بند متبادل کے طور پر نہیں بن سکا- بہت بعد میں امیر تائن کے حکم سے ایک بہت بڑا بند تعمیر کیا گیا- بند سیستان یا بندِ امیر کے نام سے یہ بند کوہک کے قریب واقع ہے-

تیمور نے سیستان میں جس بے رحمی اور شدت سے قتل و غارت گری کی اب تک اس علاقے کے لوگوں کی محفلوں میں اس کی بازگشت سنی جا سکتی ہے - کچھ روایتوں کی رُو سے زرنج جو آل سامان کا پایہ تخت تھا - تیمور کے سپاہیوں نے اسے روندھ ڈالا اس کے حکمران قطب الدین کو گرفتار کیا اور لے گئے یہ محقق نہیں کہ زاہدان اور اس علاقے کی تباہی اس دور میں میرزا شاہرخ خلف امیر تیمور کے ہاتھوں ہوئی یا خود تیمور نے کی تھی - اس بارے میں صحیح صورتحال تاریخوں میں موجود نہیں کہ ان دونوں سے اس تباہی کی ذمہ داری کس پر ہے -

صفوی دور کی آمد تک امراء سیستان غلبے میں رہے ہیں شاہ اسمٰعیل صفوی بادشاہوں کے عہد میں جو ۲۴۰ سالوں پر

پھیلا ہوا ہے۔ سیستان مملکت ایران کا ہی حصہ رہا ہے ۔ ایسی دلیل یا ایسا ثبوت ایک بھی نہیں ملتا کہ اس مدت میں افغانوں نے دخل اندازی کی ہو۔ حتیٰ کہ اُس دور میں بھی افغانوں نے قندہار سے حرکت کی اور صحرائے سیستان کے بیچوں بیچ گزرتے ہوئے کرمان اور اصفہان تک آئے۔ اس عہد میں بھی کہ شاہ سلطان حسین کا زمانۂ آخر تھا۔ (یعنی سنہ ۱۱۳۳ھ) افغانوں کا سیستان میں عمل دخل نہیں رہا۔ دوسری جانب حاکم سیستان کا عمل بھی ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ ایران کا وفادار نہیں تھا۔

سیستان کی حکومت عہد صفوی میں کیانی بادشاہوں کے ہاتھ میں رہی ۔ وہ بھی کیانی بادشاہوں سے خود کو منسوب کرتے تھے افغانوں نے جب سیستان پر حملہ کیا ملک محمود کیانی حاکم سیستان تھا ۔ اس شخص نے ازراہ حیلہ یا یہ کہ اُسے کسی طاقت کا درپردہ تعاون حاصل تھا۔ نہ صرف حکومت سیستان کی حفاظت کی بلکہ مشہد کے علاوہ خراسان کا ایک حصہ بھی اپنی حکومت میں ضم کر دیا۔

شاہ سلطان حسین کا بیٹا طہماسپ میرزا محمود سیستانی کے علاقے میں امداد طلب کرنے کی غرض سے پہونچا ۔ ملک محمود نے باوجودیکہ طاقت وحشمت کا مالک تھا۔ اس کی کچھ بھی مدد نہ کی اور اپنی قوت کو اپنے مفاد میں استعمال کرتا رہا ۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے ۔غرض کہ ملک محمود نے بعد میں اپنے کیے کا پھل پایا اور نادر شاہ افشار کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ نادر شاہ نے ملک محمود کی نسبت کا لحاظ کرتے

ہوئے ملک حسن کیانی کو اس کی جگہ حکومت سیستان پر مقرر کر دیا۔

تاریخ میں مرقوم ہے شاہ طہماسپ نے سیستان، خراسان ماژندران اور کرمان نادرشاہ کو بخش ڈالے تھے (۱۱۴۳ھ) میں جب نادرشاہ ایران کے تخت کا مالک بنا۔ سیستان کا علاقہ اس کی وسیع وعریض مملکت کا ایک حصہ قرار پایا۔ کیانی حکمرانوں نے نادرشاہ اور اس کے بھتیجے عادل شاہ کا مقابلہ کیا۔ اوائل ۱۷۴۶ء مطابق ۱۱۵۹ھ قمری میں ایران کے مختلف حصوں میں نادر شاہ کی خشونت اور بے رحمی کے باعث بغاوت اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ لوگ اس سے شدید نفرت کرنے لگے۔ نادر شاہ کو جب یہ خبر ملی کہ اس کا ایک بھتیجہ علی قلی خان کا اس کے مخالفین سے گہرا ربط وضبط ہے۔ تو نادر شاہ نے اُسے سیستان میں نظر بند کر ڈالا۔ علی قلی خان نے مقامی طور پر قوت حاصل کر لی تھی چنانچہ سال ۱۷۴۷ء میں بجائے نادرشاہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ نادرشاہ نے علی قلی خان کی سرکوبی کا ارادہ کر لیا۔ مگر وہ اپنی حکومت کے آخری دور میں جب زوال کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ اس ارادے سے باز رہا۔ نادرشاہ کی پسپائی کی ایک وجہ اُس کی فوج کے عہدیداروں کا منجملہ اہل تشیع سے تعلق تھا جنہوں نے درپردہ اس کے قتل کی سازش کر رکھی تھی۔ اس سے پیشتر کہ نادر شاہ کوئی اقدام کرتا فوجی منصب داروں نے ۲۰ جون ۱۷۴۷ء کی شب ایک دستہ مرتب کیا اور فتح آباد میں نادرشاہ

کو قتل کر دیا ۔

نادر شاہ کی موت کے بعد ایران کی حکومت احمد شاہ درانی کے ہاتھ آئی ۔ اس کے بعد یہ علاقہ کیانیوں اور سربندی شہر کی وغیرہ طاقتوں کے درمیان کشمکش کی اماجگاہ بنا رہا ۔ جن کو نادر شاہ نے سیستان سے ملک بدر کر دیا تھا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فوج نے سال ۱۸۶۵ء میں سرکش اور باغی امراء سے سیستان کا علاقہ چھین لیا دو سال بعد یہ سرزمین حکومت ایران کے ماتحت آگئی ۔

سربندی راسن جس نے تقریباً ۲۵ سال ایران میں رہ کر ایران کے اجتماعی مسائل کا گہرا مطالعہ کیا تھا ۔ سیستان کے لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سیستان کے باشندے افغانی نژاد نہیں ہیں ۔ بلکہ سیستان میں افغانیوں کا وجود تک نہیں ہے ۔ یہ جو افغان سیستان میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں ۔ احمد شاہ ابدالی کے نفوذ کے بعد ان علاقوں میں آئے ۔ اہل سیستان کسی اور نسل اور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ایک مختصر تعداد بلوچوں کی ہے ۔ جو مہاجر بن کر وہاں آباد ہوئے ۔

آج کے سیستان کے باشندے بیشتر تاجیک ہیں ۔ تاہم بلوچ اور قائنی بھی آباد ہیں ۔ نادر شاہ افشار نے بھی اطراف شیراز کے قبائل کو آباد کر دیا تھا ۔

ایران کی مشرقی سرحدات کے تعین میں انگریزوں کا عمل دخل

۱۶۱۵ء میں انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کے سفیر سرتھامس رو

ہندوستان کے مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی دفتر کے قیام کی درخواست کی۔ یہ کمپنی ۱۶۰۰ء میں لندن میں قائم کی گئی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے اجازت کے حصول کے بعد انگریزوں نے ہندوستان کے ساحلی شہروں مدراس اور سورت میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ ۱۶۳۹ء میں مدراس شہر کا سنگ بنیاد انہوں نے ہی رکھا سال ۱۶۶۲ء انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم نے پرتگال کی شہزادی کیتھرائن برگنزا سے شادی کی۔ اس شادی کے نتیجے میں چارلس دوم نے شہزادی کیتھرائن کے جہیز کے طور پر بمبئی کا جزیرہ حاصل کیا جو کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی پر فروخت کر دیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جو پرتگالیوں کو بے دخل کرنے سے معذور ہو چکی تھی۔ سال ۱۶۸۵ء میں اپنی نوآبادیات میں توسیع کے لیے طاقت کے استعمال میں کوشاں رہی۔ تاہم ہندوستان میں مغلوں نے اورنگ زیب کے زمانے میں انہیں شرمناک شکستوں سے دوچار کر دیا۔ سال ۱۶۸۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنی ایک وسیع مملکت کے قیام کا ارادہ ظاہر کیا۔ انگلستان کی شہنشاہیت نے ۱۶۹۰ء میں شہنشاہ دہلی کو ہندوستان میں اپنی راہ سے ہٹا دیا ۱۶۹۰ء میں فرانس بھی ایک جنگ میں ان کا آلہ کار بن گیا۔ اس سال کے بعد بنگال اور بہار میں انگلستان کا اثر و نفوذ غیر متنازعہ حیثیت اختیار کر گیا۔ ان علاقوں سے گوریلا جنگوں میں داخلی اور خارجی انتشار بڑھتا گیا۔ اتنا بڑھا کہ صلح کی کوئی صورت نہ رہی۔

مدراس کلکتہ اور بمبئی میں تجارتی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں اور

کمپنی کو مزید استحکام و استقلال نصیب ہوا۔ شہنشاہ ہند اورنگ زیب کی وفات کے بعد زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے[1]۔ انہی ایام میں ہندوستان کے ہندو راجاؤں نے اس بلوچستان میں جو اس وقت پاکستان کا حصہ ہے۔ حکومت قائم کی۔ اس حکومت نے مقامی براہوئی اقوام کی مدد سے افغانوں سے نجات حاصل کرنا چاہی۔ براہوئیوں نے جب افغانستان کو شکست دی۔ ان کا اثر و نفوذ بلوچستان میں بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ راجہ سے حکومت چھن گئی۔ اور براہوئیوں کے رؤسا میں عبداللہ خان نے اقتدار حاصل کیا۔ نادر افشار کے دور میں جب اشرف خان افغان نے سال ۱۷۲۹ء میں نادرشاہ سے شکست کھائی۔ اور قندھار کی جانب فرار ہوا۔ بلوچوں کے ایک دستے نے اسے سیستان میں قتل کر ڈالا۔ اس کے باعث نادرشاہ کا خان براہوئی پر التفات میں اضافہ ہوا۔ عبداللہ خان نے نادرشاہ کے دور میں سال ۱۷۳۶ء میں مطابق ۱۱۵۷ھ ہندوستان پر فوج کشی میں نادرشاہ کی اطاعت کی۔ اور اس کی حکومت کو استقلال نصیب ہوا۔ عبداللہ سندھ کے حکمران سے جنگ میں کام آیا۔ اور اس کے بیٹے نے اس کی جگہ لی۔ یہ شخص ظالم اور خونخوار تھا عبداللہ خان کے بھائی نے جو نادرشاہ کے ہمراہ ہندوستان گیا ہوا تھا۔ ہندوستان سے واپسی پر اپنے بھتیجے[2] کو قتل کیا اور خود نصیر خان

[1] ول ڈیورانٹ۔ تاریخ تمدن جلد دوم صفحہ ۸۵۷، ۸۵۸ [2] بھائی

کے نام سے زمام حکومت ہاتھ میں لی ؎۱

نادر شاہ کے قتل کے بعد نصیر خان نے احمد شاہ ابدالی کی اطاعت کر لی۔ مگر بعد میں اس کے اور احمد شاہ کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ نصیر خان مغلوب ہوا۔ بالآخر فریقین نے صلح کر لی۔ اور طے پایا کہ نصیر خان برقرار رہے اور احمد شاہ انتظامی نکتہ نظر سے اس کی مدد کرے۔

نصیر خان نے ۱۲۰۹ھ میں وفات پائی۔ حکومت قلات اُن کے بیٹے محمود خان کے ہاتھ آئی۔ محمود خان نے ۲۷ سال حکمرانی کی۔ ۱۲۳۶ھ میں انتقال کیا۔ محمود خان کے دور میں مغربی مکران براہویوں کے قبضے سے نکل گیا۔ چند ایک بلوچ قبائل نے کراچی پر قبضہ کر لیا محمود خان کے بعد اُن کے بیٹے محراب خان جانشین ہوئے

۱۸۳۹ء میں بمطابق ۱۲۵۲ھ انگریزی حکومت نے افغانستان پر فوج کشی کی۔ محراب خان نے افغانوں کے مفاد میں درۂ بولان میں انگریزی افواج کی مزاحمت کی۔ انگریزوں نے تنبیہ کی خاطر قلات پر یلغار کی

؎۱۔ معروف تاریخی اعتبار سے اس بیان میں بنیادی غلطیاں موجود ہیں۔ عبداللہ خان کے جانشین خان محبت خان ہوئے۔ خان محبت خان کی معزولی خان الیاز خان اور خان نصیر خان کی کشمکش کے باعث ہوئی۔ جو احمد شاہ ابدالی کے دور تک جاری تھی۔ عبداللہ خان کے بھائی کا حوالہ مصنف کی بے خبری کو ظاہر کرتا ہے۔ اطاعت جن معنوں میں لی گئی ہے وہ بھی درست نہیں اسے تعاون کہنا چاہیئے۔

مترجم

محراب خان اور اس کے چار سو حامی مارے گئے۔ قلات اور پنجاب انگریزوں کے قبضے میں آ گئے۔ (انگریزوں نے محراب خان کا جو جانشین مقرر کیا تھا) انگریزوں ہی کے پولیٹیکل ایجنٹ کے مشورے سے قتل کرادیا۔ اور نصیر خان دوم کا تخت قلات کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔

۱۸۴۲ء بمطابق ۱۲۵۶ھ آقا خان محلاتی ایک طویل عرصہ باغی رہنے کے بعد حکومتی عساکر سے (محمد شاہ قاچار کی سلطنت کے زمانے میں) شکست کھا کر کرمان اور بلوچستان پر حکمرانی کی نقش بر آب آرزو لیے قندھار کی راہ سے ہندوستان کی جانب فرار ہوا۔ اثنا راہ بلوچستان میں انگریزی افواج سے مڈبھیڑ ہوئی۔ جب کراچی کو بلوچستان سے الگ کرنے کے مشق پر لگتی اور خان قلات اُن کا مقابلہ کر رہا تھا۔ جیسے کہ آقا خان کی کتاب موسومہ "عبرت افزا" مطبوعہ تہران میں مرقوم ہے جونہی آقا خان کو معلوم ہوا کہ خان قلات انگریزی فوجوں کے جنرل کو قتل کرنے کی نیت سے شبخون مارنے اور فوجوں کو تباہ کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ جنرل کو فی الفور اس صورتحال کی اطلاع دی جس نے بروقت راستہ تبدیل کی اور اس خطرے سے بچ گیا۔ بعد ازاں آقا خان اور اس کے ساتھیوں نے انگریزی فوجوں کی مدد سے قندھار اور بلوچستان میں بلوچوں پر حملہ بول دیا۔ مگر تھک ہار کر ۱۲۶۰ھ میں آقا خان نے ثالث کا روپ اختیار کیا وہ بلوچوں پر زور دیتا رہا کہ انگریز بلوچستان میں جن علاقوں کا خواہشمند ہے۔ وہ اسے دے ڈالیں۔ اس کے بدلے تنخواہیں اور مراعات حاصل کریں اس طرح خان قلات نے انگریزوں کی بالادستی قبول کر لی۔[۱]

۱۔ محمد خان ملک ساسانی۔ دست پنہان سیاست انگلیسی در ایران۔ ص ۹ ۔۲۰

نصیر خان (دوم) کو ۱۸۵۶ء میں زہر دیا گیا[1] جس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ اس کا بھائی خداداد خان تخت پر بیٹھا۔ خداداد خان ایک مدت کے بعد انگریزوں کے ہاتھوں تخت سے دستبردار ہوا۔ اس کا بیٹا محمود خان جانشین بنا۔

انگریزوں کی یہ ساری چالیں اور سازشیں اس خطے میں ہندوستان میں روسی اثر و نفوذ کو روکنے کے لئے تھیں۔ تیرھویں صدی کے اوائل سے ۱۸۸۰ء تک ہندوستان کے لوگوں پر جو ظلم و ستم روا رکھے گئے ان کی وجہ سے انہوں نے بارہا انگریزی عمال کے خلاف شورشیں کیں۔ انگریز یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ روسی طاقت کا داخلہ ایران کی راہ سے ہوگا۔ اس لئے کہ طبیعی موانعات جیسے کہ خیبر اور کوہ ہندوکش کی دشوار گذار راہوں سے گذرنا جن پر وسطی ایشیا کے وحشی اقوام کا کنٹرول تھا۔ یہ روس کے لئے بہت بڑی رکاوٹ تھی کہ وہ خود کو افغانستان کی شمالی سرحدوں تک پہونچانے میں کامیاب ہو سکتا۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ انگریز کی طاقت ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں میں بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھی۔ روسیوں نے ترکستان کے حصول سے پیش قدمی کی اور بتدریج قوقند، بخارا، سمرقند اور خیوہ پر قبضہ جمایا۔ ۱۸۵۹ء میں جب انگریزوں کی حکومت نے ہندوستان کے انقلاب کی سرکوبی کی اور روس کی پیش قدمی کا نوٹس لیا۔ تو روسیوں نے تمام ترکستان

---

(۱) یہ مفروضہ بھی غلط ہے۔ کہ نصیر خان دوم کو زہر دیا گیا تھا۔ خان موصوف گردے کی تکلیف میں بہت عرصہ مبتلا رہ کر وفات پا گئے تھے۔

زیر کر لیا تھا۔ وسیع و عریض صحراؤں کو عبور کرتے ہوئے کوی پتہ تک پہونچ چکے تھے کہ یہ راستہ یقینی طور پر ہندوستان میں پہنچنے کا تھا۔ روسیوں نے ایران میں مداخلت یا ایران کی راہ سے اپنی فوجوں کو نہیں بڑھایا۔ برخلاف اس کے انگریزوں نے ایران میں مداخلت اور ایران کو کمزور کرنے سے گریز نہ کیا اس کی دلیل یہ تھی کہ روس اگر کبھی ہندوستان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور ایران اس کی مدد اور تعاون سے ہاتھ کھینچتا ہے۔ تو یہ اقدام انگریز کی خوشنودی کا باعث ہو گا در آں حالیکہ ایران کا نام اقتدار جن ہاتھوں میں رہا۔ انہوں نے اکثر و بیشتر انگریزی مفادات کا تحفظ کیا ہے۔

انگریزوں کی حکومت کی توجہ ان دنوں ایران کے چند ایک علاقوں پر مرکوز رہی سیستان، بلوچستان، خلیج فارس اور خوزستان قابل ذکر ہیں۔ یہاں صرف انگریزی حکومت کی اُن دلچسپیوں کا ذکر کریں گے جس نے بلوچستان کو سیستان سے الگ کرنے کے لئے کیا۔ ان تاریخی سرگرمیوں میں انگریز انتظامیہ کی جگہ ٹیلی گراف کے افسروں میں انتظامیہ کے وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی سرگرمیوں کو نیا روپ دے رکھا تھا۔

لارڈ کرزن اپنی تالیف کی دوسری جلد میں ایران کے مسائل کے باب میں لکھتے ہیں۔ " مملکت ایران کو اس دائرے میں شامل کرنے کے لے کر ٹیلیگراف کے رشتے سے وہ یورپ کے ملکوں سے مربوط ہو اس کوئی خصوصی پہلو نہ تھا۔ نہ ہی یہ ارادہ کیا گیا تھا۔ کہ اسے اس قدر اہمیت دی جائے۔ ۔ ۔ ۔ "

ٹیلیگراف کی لائینیں بچھانے پر پچاس کارکنوں کا ایک جتھہ مامور تھا۔ جن میں سے ہر ایک خود کو داخلی اور خارجی اعتبار سے با اختیار خیال کرتا تھا۔ اور اپنے کام کو ایک سیاسی معاملہ سمجھ کر طویل و عریض نقشوں کے مرتب کرنے اور ان کے نتیجے کے طور پر ہندوستان کے دماغ میں مہارت نامہ کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔

۱۸۵۹ء میں جب حکومت انگلستان ہندوستان کے انقلاب سے فارغ و مامون ہوئی۔ اور اس نے ایران کی جانب توجہ مبذول کرتے ہوئے چار سال تک میرزا سعید خان اور امین الدولہ فرخ خان کے تعاقب اور مذاکرات کے ذریعے ناصرالدین شاہ سے ٹیلیگراف لائن بچھانے کا امتیازی اجازت نامہ حاصل کیا۔ ۱۸ دسمبر ۱۸۶۲ء میں تہران کے مقام پر شاہ نے اس اجازت نامہ پر دستخط ثبت کئے اور ۲۶ فروری ۱۸۶۳ء کو ملکہ انگلستان نے اس کی توثیق کی۔ یہ ہے ٹیلی گراف کے لائن کی خصوصیت۔ یہ لائن خانقین سے تہران اور وہاں سے بوشہر کی بندرگاہ سے متوصل تھی۔

حکومت ایران نے ذوالحجہ ۱۲۸۲ھ بمطابق ۲ اپریل ۱۸۶۸ء ٹیلیگراف کی لائین گوادر سے (گوادر کی بندرگاہ سے علاقہ مکران، جاسک اور بندر عباس تک بچھانے پر سمجھوتہ کیا۔ بعد میں دوسرے خطوط کا اضافہ بھی ہوتا رہا۔ گولڈ اسمتھ نقشہ نویسی میں ماہر تھے۔ ۱۸۶۱ء میں بلوچستان میں داخل ہوا۔ نقشہ کشی کے ضمن میں سرداروں کی ایک اچھی تعداد شامل مفوض رہی۔ ازاں جملہ سرداران جام میر خان والی لسبیلہ سردار فقیر محمد نائب کیچ کو خریدا گیا۔ اور ٹیلی گراف لائنوں کی محافظت کے لئے ان کی ماہوار

تنخواہیں مقرر ہوئیں - ایک اور سمجھوتہ قلات کے خان خدا داد خان سے
۳۰ر فروری ۱۸۶۳ء میں دور دراز علاقوں میں ٹیلی گراف لائنیں بچھانے کا
ہوا جس میں ایک مقرر کردہ رقم بلغ ۵۰۰۰ ہزار روپیہ خان قلات
کو دیا جانا قرار پایا۔ خان صاحب نے ساحل گوادر میں ٹیلی گراف لائن
کی حفاظت کا ذمہ لیا۔

ایک اور سمجھوتہ باہو اور دشتیاری کے معروف قبائل کے جو کیچ
اور چاہ بہار کے درمیان بستے ہیں۔ گولڈ اسمتھ کے ذریعے نامبردہ
دین محمد اور محمد علی کے درمیان ہوا۔ جس کا مقصد کیچ اور چاہ بہار
کے درمیان ٹیلیگراف لائن کی حفاظت کے لئے ہر ایک کو سالانہ ایک
ہزار روپے دیا جانا قرار پایا ۔یہ معاملہ سرداروں میں پھوٹ کا
باعث بنا۔ بلوچ مسلح ہوکر انگریزوں ہی کے بہکاوے سے اس علاقے
میں بدامنی پھیلانے لگے ٹیلیگراف کی تاریں کاٹ ڈالیں اور انگریزوں
کی ایک تعداد قید ی بنا لی گئی۔ سرداروں نے جو کچھ لیا تھا۔ لوٹا دیا۔
لائن بچھانے والوں کی شکایتیں آنے لگیں ۔ حکومت ایران نے تنبیہہ کی غرض
سے اقدام کرنا چاہا۔ مگر انگریزی حکومت کا عملہ مانع ہوا۔ انہوں نے
اپنے خیال کا اظہار اس طرح کیا کہ حکومت ایران اگر کوئی قدم اٹھاتی
ہے تو اس علاقے میں بدامنی میں شدت پیدا ہو سکتی ہے۔ بہتر صورت
یہ ہے کہ انگریزی حکومت ایران اور بلوچوں کے درمیان حکم بن کر اس
علاقے میں امن وامان کو تباہ ہونے سے بچائے -
گولڈ سمتھ کو جو کچھ منظور تھا وہ ہوا۔ دربار ایران میں اس موقع
پر میرزا حسین خان سپہ سالار صدر اعظم کے عہدے پر تھا۔ جو

انگریزوں کا حلقہ بگوش سمجھا جاتا تھا۔ اس نے گولڈ سمتھ کی حکمت کے تابع تجاویز پر صاد کیا۔ گولڈ سمتھ نے کرمان اور قلات کی دور دراز سرحد کا سیستان سے کوہک تک تعین کرتے ہوئے یہ کوشش کی کہ کوہک کو ایران سے الگ کر ڈالے۔ مگر انہیں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم دشمن اس سے مطمئن نہیں ہوا۔ ۱۲۹۰ھ میں بجگور میں قسمت آزمائی کی۔ اور ناصرالدین شاہ سے مذاکرات میں مصروف ہوا۔ اس کا بھی جب خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا تو ہندوستان کی روایت کے مطابق نوروز خان خارانی کو ماشکیل پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا۔ نوروز خان نے ماشکیل پر قبضہ کر لیا حکومت ایران نے اس پر اعتراض کیا۔ انگریزی حکومت نے جواب میں لکھا کہ جب تک ایران اور قلات کے درمیان مقبوضہ علاقوں کا سروے مکمل ہو کر حد بندی نہیں ہو جاتی۔ اس حکومت کی جانب سے کسی کی واضح حمایت کا امکان نہیں۔ بہ ایں ہمہ حکومت ایران نے سال ۱۲۹۳ھ میں سرحدوں کے تعین کی غرض سے ایک کمیشن تشکیل دے ڈالا۔

انگلستان کی جانب سے کمیشن میں اعلیٰ اختیار کا ایک افسر دو گرد ایک انجینئر اور چند افراد پر مشتمل ٹیم۔ جن کی قیادت فوج کا عہدیدار کر رہا تھا۔ مع ایک دستہ پیادہ سپاہیوں اور ایک اسکواڈرن سواروں کے مقرر ہوا۔ میجر پرسی سائیکس جو بعد میں جنرل کے عہدے پر ترقی پا کر پہلی عالمگیر جنگ کے زمانے میں جنوبی کمان پر فارس میں متعین ہوا۔ یہ صاحب ان دنوں کرمان کے قونصل تھے۔ انگلستان کے سفارتخانہ نے اسے کمیشن کی معاونت پر مقرر کیا تھا۔ ایران کی حکومت نے زین العابدین اسدالعولہ کو وزارت داخلہ علی اشرف خان احتشام الوزراء کو دفتر خارجہ

ے، ایک مبصر وزارت دفاع سے مامور کیا تاہم آخر تک یہ معلوم
کرنا مشکل رہا کہ اصل اختیارات کمیشن میں کس کے پاس ہیں۔ اسدالدولہ
ایک متقی اور وطن پرست شخص تھا جبکہ علی اشرف خان احتشام الوزراء
پرلے درجے کا شرابی تھا ایک دو جام پینے کے بعد مست و مدہوش
ہو جاتا۔ اسدالدولہ کمیشن میں انگریزوں کی ان تجاویز کو منظور نہیں
کر رہا تھا جو ماشکیل اور جالک پر ایل احمد زئی کے دعوؤں کے
حق میں تھے۔ میجر پرسی سائیکس جیسا کہ مذکور ہوا کمیشن کا معاون تھا اپنی
کتاب "سفر نامۂ مشرقی ایران" میں بلوچستان کے حدود کی تجدید کے باب
میں صفحہ ۱۵۵ پر لکھتے ہیں۔

"احتشام الوزراء کو اپنی چادر میں چھپائے ہوئے لیگیا تھا۔ اور
اس سے رازدارانہ یہ طے کیا تھا۔ رسمی اجلاس جو اسدالدولہ کے روبرو
ہو رہا تھا۔ صرف سرحدی امور میں اختلافات ہوئے اس رازداری پہ
بلکل بھی گفتگو نہیں ہوئی۔ اسدالدولہ نے اظہار خوشنودی کیا۔ اس طرح
پر میں نے بھی ڈھیل دی اور انگریزوں سے اتفاق رائے ہوا۔ دریائے
سندھ کے کنارے تک کو آقا خان ایران سے حاصل کرے گا۔ دریائے
مشکیل کے ساحل سے ایل احمد زئی و جالک جہاں شاہان صفاری
کے مقابہ واقع ہیں۔ ایران سے الگ کرکے احتشام الوزراء کا ہر
تاہم ایران کی حقیقی سرحد کا تعین نہیں ہوا نہ ہی سرحدی نشانات
نصیب ہوئے ہیں نہیں کہا جا سکتا کہ کل ایران کیا طے کرے گا۔"

نادر شاہ کی موت کے نتیجے میں ایک عالم بے سروسامانی کا
آغاز ہوا جو دس سالوں کے عرصے پہ پھیلا ہوا تھا۔ کہ ہماری سرزمین

وطن امن کی نعمت سے محروم رہی - زیادہ وقت نہیں گزرا تھا - کہ نادر شاہ کے قتل کے بعد اس کی میراث کا بٹوارا ہوا - اور حصے بخرے کیے گئے - احمد شاہ ابدالی افغان سپاہ کا حکم قرار پایا تاکہ نادر شاہ کے خون کا انتقام لے - مگر ایرانی سرداروں سے شکست کھائی - خزائن و جواہرات کے نادری گنجینہ سے ایک حصہ حاصل کر کے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ قندہار کی جانب فرار ہوا - احمد خان نے یہ قدرت پائی کہ مندرجہ بالا خزائن کی مدد سے قندہار میں ایک حکومت تشکیل دیکر خود کو احمد شاہ درانی کہلائے اس افغان سردار نے پہلی مرتبہ افغانستان کو ایران سے الگ کر کے ایک مستقل ملک کی بنیادیں رکھیں (۱۷۷۱ - ۱۷۷۳)

احمد شاہ درانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ ۱۷۷۳ - ۱۷۹۳ء جانشین ہوا - اُن دنوں نادر شاہ کا بیٹا شاہرخ خراسان کا حکمران تھا - شاہرخ نصف قرن تک افغانستان کا خراج گزار رہا -

فتح علی شاہ کے عہد میں افغانستان کو زیر کرنے کے اقدامات کیے گئے جو بے نتیجہ ثابت ہوئے - اس دور تک جبکہ ۱۸۳۷ء میں حکومت انگلستان نے افغانستان کا دفاع اپنے ذمے لے لیا - انتظام کرنے والے حکام، اسلحہ اور مالی امداد دے کر ہرات کو بھڑکایا کہ وہ محمد شاہ قاچار سے جھگڑا مول لے کر ہرات کو خود مختاری دلائے - انہی دنوں میں عالمی سیاست کی بساط پر روس اور انگلستان کی حکومتوں نے ایشیا کے علاقے ہرات میں مرکز قائم کیے - برطانیہ انیسویں صدی

صدی کے اوائل میں ہی سرگرم رہا تھا۔ کہ ہرات کو ایران کے بادشاہ کی مملکت سے نکال کر امرائے افغانستان کی تولیت میں دے ڈالے اس منصوبے کے مطابق ہرات کے منتظمین کو اسلحہ اور رقومات دیے تاکہ وہ محمد شاہ کا مقابلہ کریں۔ محمد شاہ نے دس ماہ تک ہرات کا محاصرہ کیے رکھا۔ لیکن جب انگلستان کا جنگی بیڑہ خلیج فارس میں نمودار ہوا تو محمد شاہ نے ناچار ہرات کا محاصرہ ختم کیا۔ اس طرح ہرات کی شورش فرو ہو سکی۔

۱۸۳۸ء میں خود انگریزوں نے افغانستان پر چڑھائی کی کابل اور قندھار پر متصرف ہوئے۔ مگر افغانوں نے اعلان جہاد کرتے ہوئے انگریزوں کی ساری فوج تہس نہس کر ڈالی۔ انگریزوں نے افغانستان پر جس بادشاہ کو مسلط کر دیا تھا اسے بھی قتل کر ڈالا اس طرح افغانستان کو انگریزوں کے چنگل سے رستگاری ملی (۱۸۴۲ء)

اس موقع پر انگریزوں نے مجبور ہو کر امیر دوست محمد خان کو جو ہندوستان میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہا تھا۔ عزت و احترام سے کابل روانہ کیا۔ امیر نے یہ واضح اعلان و اقرار کیا کہ " میں حاضر ہوں اپنی جان خدمت میں قربان کرنے کو۔ جب یہ صورتحال یار محمد خان نے دیکھی جس نے انگریزوں کی تحریک پر محمد شاہ پر ہرات کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ اور اسے شہر میں آنے نہ دیا تھا۔ اور اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔ بادشاہ کی خدمت میں لجاجت سے بھرپور درخواست پیش کی اور خود کو مطیع و فرمان بردار اور ایران کا دوست ظاہر کیا مگر حاج اقاسی میرزا نے جو انگریزوں کے اثر و نفوذ سے قائم تھا۔ ان

خطوط کا کچھ جواب نہ دیا۔

کھندل خان ہمیشہ سے حکومت ایران کا مطیع و فرمانبردار رہا۔ جونہی امیر کبیر تقی خان عہدہ صدارت پر متمکن ہوئے۔ دوست محمد خان نے بھی انگریزوں سے روگردانی کی اور ایران کی اطاعت قبول کر لی۔ حکومت ایران نے افغانستان اور ترکستان پر تسلط جما لیا اور ایک بھی ایرانی سردار قتل نہیں ہوا۔ تاہم انگریز عملداروں نے امیر کا کام برابر کر دیا۔ روس، فرانس اور ان کے نمائندے خونخوار بھیڑیوں کی طرح امیر کے تعاقب میں رہے۔ نادر شاہ میرزا آقا خان نوری اور بدخواہوں نے ایک اور امیر کو تاڑ کر اس مردِ خیر خواہ کا پتا کاٹ ڈالا اور اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

حکومت انگلستان نے ۱۸۵۲ء میں میرزا آقا خان نوری کی اعانت کی اور انگلستان کے بحال کی خدمات کے صلے میں ایک خاص مراسلہ سید محمد خان ظہیر الدولہ کے نام بھجوایا کہ ایران کے بادشاہ کا ہرات کے امور سے کچھ واسطہ نہیں اور شاہ ایران مراد میرزا حسام السلطنت جو خراسان کا نائب تھا۔ ایک طویل محاصرے کے بعد ہرات پر قابض ہونے میں کامیاب ہوا۔ وہاں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور ہرات شاہی علاقہ میں آ گیا۔ انگلستان کے وزیر مختار سر چارلس موری نے اس مرتبہ یہ کوشش کی کہ شاہ ایران کو اپنی وفاداری کا یقین دلائے۔ مگر بار آور ثابت نہ ہو سکی۔ حکومت انگلستان نے ایک اور اقدام کیا یعنی بحریہ کے ذریعے بوشہر اور خرم شہر پہ حملہ کرتے ہوئے کامیابی حاصل کی۔ ناصر الدین شاہ کو ہرات کا خراسان سے

ل جانے بوشہر اور خرم شہر کے واقعات نے ہاتھ آئے حقوق کھو دینے سے مایوس کر دیا۔ بالآخر میرزا آقا خان نوری اور فرخ خان امین الملک کا مشورہ قبول کرتے ہوئے صلح نامہ پیرس پر دستخط کر دیئے۔ ۱۸۵۷ء میں ایران اس معاہدے کی فصل ششم کی رُو سے ہرات اور افغانستان کے دیگر علاقوں میں اپنے حق حاکمیت سے دستبردار ہوا۔ لیکن معاہدہ پیرس پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہندوستان کی مشہور بغاوت (غدر) کا آغاز ہوا اور چند سالوں تک (۴ سال) حکومت انگلستان و ہندوستان کی توجہ اس سے ہٹ گئی۔ اس فرصت سے ایران نے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہرات کو اپنے اختیار میں لے کر سلطان احمد خان کو ہرات میں مقرر کیا۔ حسام السلطنت کی نمائندگی کی گئی اور ہرات کو علیحدہ کر کے فوجوں کو وہاں سے واپس بلا لیا گیا۔ اس ترتیب سے سال ۱۸۶۳ء مطابق ۱۳۸۲ھ ہر سال سلطان احمد خان تہران میں حاضر ہوتا۔ اور حکومت ہرات کا فرمان حاصل کر کے اپنے مستقر پر چلا جاتا۔ انگلستان کی حکومت کو ۱۸۶۳ء میں جب سب طرف سے فراغت ملی ایک مرتبہ پھر ہرات کے معاملے پر توجہ کی اور امیر دوست محمد خان کو جو بیس سالوں سے بھی زیادہ عرصہ سے تنخواہ و وظائف حاصل کرتا رہا تھا۔ ہرات پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ جب کہ حکومت ایران نے اپنے حق کی حفاظت و حاکمیت کے لیے حسام السلطنت والی خراسان کو احکامات جاری کئے۔ کہ اگر دوست محمد خان بڑھ آئے تو اس کا مقابلہ کرے۔ اس نے ۱۶ ہزار افراد پر مشتمل خراسان کی فوج جمع کی اور عازم ہرات ہوا۔ انگریزوں نے تہران میں اقدامات

کرتے ہوئے مشہور زمانہ اسٹویک (STOVAC) کو جو تہران کے
سفارتخانہ میں چارج ڈی افیئرز تھا۔ طرفین کی اصلاح کے لئے خا
بھجوایا۔ اس شخص نے حکومت ایران سے دوستی و خیر خواہی کا پُرزو
مظاہرہ کرتے ہوئے حسام السلطنت کی توجہ اس کے مشن سے ہٹائی
تا آنکہ امیر دوست محمد نے ہرات پر قبضہ کر لیا۔ مگر اس کی زندگی نے
وفا نہ کی۔ امیر دوست محمد نے ۱۸۶۳ء میں انتقال کیا۔ دوست محمد کے
بعد امیر شیر علی خان نے افغانستان کی امارات حاصل کی۔ دریں اثناء اس
کے بیٹوں میں خانہ جنگی نے سر اٹھایا۔ اور پانچ سال تک یہ داخلی جنگیں
جاری رہیں۔ بالآخر امیر شیر علی نے حکومت ایران کی مدد سے اکثریت
غلبہ حاصل کیا۔ اور شیر علی کابل میں امارت پر متمکن ہوا۔ اس کے دو
فرمانبردار بیٹے یعقوب خان اور ایوب خان حکومت ایران کے وفادار
رہے۔ یہ سلسلہ ۱۸۶۹ء تک قائم تھا۔ کہ شیر علی خان اپنے بیٹوں کے
مشوروں کے برعکس انگریزوں کی دولت پر مزلیفتہ ہوا۔ ہندوستان کے
حکمران کی دعوت قبول کرتے ہوئے ہندوستان کا دورہ کیا۔ وہاں لارڈ منٹو
سے ملاقات کی اور ہندوستان کے حکمران سے دوستی اور محبت استوار
ہوئی۔ اس ملاقات میں امیر کو تلقین کی گئی کہ ایران سے سیستان کے
بارے میں مطالبہ کرے کہ اس کا تعلق افغانستان سے ہے۔ اس لئے
کہ اب سیستان کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا چکا تھا۔ یہ موضوع
پہلی مرتبہ سامنے آیا۔ اور سیستان کا مذکور ہوا۔ اور اس کا تعلق روس
کی ترکستان میں فتوحات سے ہے۔ امیر شیر علی خان نے یہ دعویٰ
کیا اور حکومت انگلستان نے اس دعوے میں امیر شیر علی کی حمایت

کی تاہم اس دعوے سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا اور انگریز کی حکومت کو سیستان کے علاقوں میں مداخلت کا موقع نہیں ملا۔ تاہم وہ اس فرصت سے فائدہ اٹھانے اور خود کو ثالث کا روپ دے کر سیستان پہنچنے میں مصروف رہا جب میرزا حسین خان سپہ سالار ایران میں عہدۂ صدارت پر مستحکم ہوا۔ ناصرالدین شاہ اور امیر شیر علی حکومت انگلستان کی تجویز پر متفق ہوئے۔ وکلا کے چیف جنرل گولڈ سمتھ ایران میں نمودار ہوا۔ اور سیستان کے علاقوں کے مسئلے پر جو اختلافات تھے ان کو حل کرنے کے لئے خود کو ثالث کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ حکومت انگلستان کا اس اقدام سے مقصد ایک تو یہ تھا کہ سیستان کے علاقوں تک رسائی حاصل کرے۔ اور وہاں انتظامی امور میں اس کا عمل دخل ہو۔ اس کے ساتھ ہی ایران اور افغانستان میں دوامی مخاصمت کے بیج بوئے،

انگریزوں کے ایک وفد نے گولڈ سمتھ کی سربراہی میں ۷ر جنوری ۱۸۷۲ء میں بم کے مقام پر ایران کے کمیسر میرزا معصوم خان سے ملاقات کی۔ اور وہاں سے عازم سیستان ہوا۔ سیستان میں چونکہ وہاں کے سارے باشندے ایران سے اطاعت و وفاداری کا اظہار کر رہے تھے۔ اور شاہ ایران کے خلاف کچھ سننے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے وہ گولڈ سمتھ سے ملنے نہ آئے۔ گولڈ سمتھ نے چاہا کہ ایران کے کمیسر کو ہمراہ لے کر ایران کے تمام اطراف کا سفر کرنے اور اثنائے راہ ایسے حالات پیدا کئے جو کمیسر ایران کی رنجش کا باعث بنے۔ نتیجے میں اس نے میرزا معصوم خان کمیسر سے اپنے روابط منقطع

کئے - میرزا معصوم خاں لاچار ہوا - کہ نصیر آباد سیستان کو لوٹ جائے تاکہ جنرل پولوک اور کمیشنر افغانستان آ کر ملیں - زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ وہ دونوں آن پہنچے - اس طور پہ بھی تنازعہ کا تصفیہ نہیں ہو سکا بالآخر مسئلے کے تصفیہ کو ایران کے ذمہ ڈال کر ہر ایک جداگانہ راہ عازم تہران ہوا -

گولڈسمتھ کی خود غرضی بغیر سبب نہ تھی - اس لئے کہ ان ہی تاریخوں میں انگریزی حکومت کا دربار ایران میں اثر و نفوذ اس پہ بنا پر اپنے عروج پہ آ رہا تھا - کہ میرزا حسن خاں سپہ سالار صدارت کے اعلیٰ عہدے پر متمکن ہو چکے تھے ۳ رجون ۱۸۷۲ء کو جنرل گولڈ اسمتھ تہران پہنچا - اس موقع پر میرزا ملکم خان جو اس سے پہلے سفیر ایران متعینہ انگلستان کے طور پہ شہرت پا چکے تھے - وہ میرزا معصوم خاں کے منصب پہ فائز ہو چکے تھے - اس تاریخ کے بعد سے سرحدی کمیشن کے امور میں میرزا معصوم خاں کا عمل دخل نہ رہا - بلکہ قطعی طور پہ اسے ہٹا دیا گیا تھا - اور ایک سال بعد تو یہ سنا گیا کہ وہ سرکاری خدمات سے برطرف کئے گئے ہیں - جنرل گولڈ اسمتھ نے اپنی تجاویز ۱۹ راگست ۱۸۷۲ء کو پیش کر دیں - لیکن ایران اور افغانستان کی حکومتوں نے ان کی تجاویز کو قبول نہیں کیا - جنرل گولڈ سمتھ لندن کو لوٹ کر گیا - موسم سرما میں ۱۸۷۳ء میں جب شاہ ایران نے انگلستان کا دورہ کیا حکومت انگلستان نے شہنشاہ ایران کو گولڈ اسمتھ تجاویز قبول کرنے پہ راضی کیا - ۱۸۷۲ء کی تجاویز کے مطابق جو گولڈ اسمتھ نے پیش کی تھیں سیستان کو داخلی اور خارجی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا - داخلی

سیستان جو نیزار سے شمالاً علاقہ سیاہ کوہ تک پھیلا ہوا ہے یعنی
دریائے ہلمند کے مغرب میں بہ رقبہ ۱۵۰۰ مربع کلومیٹر، ۴۵ ہزار آبادی
ایران کے حصے میں آیا۔ اور خارجی سیستان یعنی دریائے ہلمند سے
مشرق کی جانب افغانستان کو دے دیا گیا۔

سرحدی کمیشن کے کام کی تکمیل کے بعد حکومت ایران نے کوہک پر
تصرف کیا۔ اس لئے کہ جنرل گولڈ اسمتھ کی تجاویز کے مطابق مشرقی ایران
کی سرحدیں خلیج گوادر سے کوہک تک بعد ازاں علاقہ سیاہ کوہ سے
شمالی سیستان قرار پا چکی تھیں۔ ان دونوں علاقوں کے درمیان سیستان
کے شمال میں پانچ سو کلومیٹر طویل ایک صحرا پڑتا ہے۔ اور ایک صحرا
دشتِ ہشتادان بھی ہے جو اختلافات کا باعث تھا۔

ہشتادان کے منطقہ جنوبی میں درۂ ذوالفقار جو ایران و ہرات
کے درمیان پڑتا ہے ہمیشہ سے سرزمین ایران کا رہا ہے نادر شاہ
دور کے خاتمے اور احمد شاہ درانی کی وارثت کے
عہد میں چند سالوں تک خراسان و ہرات کے مشرقی حصے پر اور
دشت ہشتادان پر قبضہ رہا۔ کچھ مدت تک ہشتادان ترکمانوں کے
اختیار میں آیا ۱۲۹۱ ہجری میں یوسف خان ہزارہ حکومت ایران کی
جانب سے ہشتادان پر مامور تھا۔ کہ یہاں آبادی کرے مگر افغانوں
کی شورش اس کے آڑے آئی۔

ایران کی حکومت نے ایک مرتبہ پھر ۱۳۰۳ھ میں ہشتادان
میں انتظام کی غرض سے فوج کشی کی اس مرتبہ بھی افغان مخالفت میں
سینہ سپر ہوئے۔ ایران اور انگلستان کی حکومتوں کے درمیان

یہ اختلافات کوہک اور دشت ہشتادان کے سلسلے میں بیس سال تک قائم رہے تا آنکہ ۱۸۸۹ء میں کہ مسٹر ڈرمنڈ وولف سفیر انگلستان کے قونصل جنرل کی تقرری کا واحد مقصد یہ تھا کہ ایران اور افغانستان کی سرحدات کا تعین کرے اور صحرائے ہشتادان کو ایران سے متنازعہ بنا کر امیر افغان کے حوالے کرے

قونصل جنرل حکومت انگلستان متعینہ مشہد اس علاقے کا نقشہ تیار کرکے۔ اپنی حکومت کو اس گزارش کے ساتھ بھجواتا ہے وہ لکھتا ہے۔

" ان تمام توجیہات کے مطالعے کے بعد جو حکومت ایران کے عمال نے آج تک اینجانب کو پیش کئے اور اُن تمام شہادتوں، اسناد تاریخی و توضیحات مقامی کے جو خود راقم کے علم میں آئیں۔ مختلف اشخاص سے مذاکرات اور اپنی تحقیقات کے حوالے سے اس امر پہ دلالت کرتی ہیں کہ ان کو صحیح تصور کرتے ہوئے یہ کہوں کہ ایران نے ہشتادان کے علاقے پر ۱۷۴۷ء کی تاریخ کے بعد نہ تصرف کیا ہے نہ اس کا مالک رہا ہے۔ یعنی اس تاریخ ۱۸۰۵ء میں جب کہ احمد شاہ درانی خراسان کے مشرقی حصے کا مالک ہوا۔ حکومت ایران نے اس پر نہ ملکیت جتائی نہ ہی اپنے قبضہ و اختیار میں لیا۔

اس پر مزید اضافہ کرتے ہیں کہ اس صورت میں معاملہ یہ ہے کہ ایران اور افغانستان اس علاقے کے باب میں کسی اتفاق پر پہنچیں اور ہر ایک اپنے دعوے سے قدرے پیچھے ہٹ جائے تاکہ اس کا تصفیہ کیا جا سکے۔

مزید لکھتے ہیں کہ

اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایک ہی حل نظر آتا ہے یعنی اس کے پانی کی تقسیم جو اس علاقے میں آبپاشی کا وسیلہ ہے۔ جیسے کہ عملاً اس کے سابقہ ماہرین بیان کرتے ہیں۔ اور فی الحقیقت کہ ہشتادان کے مسئلے کا حل بھی یہی ہے اور ماہرین سمجھتے ہیں کہ جونہی یہ تجویز عملی صورت اختیار کرتی ہے۔ ایران کی سرزمین کی بیشتر اراضی سیراب اور قابل کاشت ہو جائے گی۔ خصوصاً وہ حصہ کہ جس پر تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ افغان اسی حصے پر دعویٰ کرتے ہیں۔ افغانوں کی اکثریت بھی اسی حصے میں بستی ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ اس پانی کی زیادہ مقدار کافرقلعہ کی اراضیات اور اُن چراگاہوں کو ملے جو انتہائی جنوبی علاقے میں واقع ہیں۔ تاہم یہ نظریہ صرف میرا ہے اور یہ حل میں نے فرض کیا ہے۔ افغان یا ایرانی اس بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ اس تنازعے کا حل کیا ہونا چاہیئے۔

اس تاریخ میں ایران جیسے دُور اندیش ہمسائے نے ایک اور شخص صوبہ ایران میں اُن سیاسی مسئلے کے حل کے لئے آگے بڑھایا۔ اس مرتبہ قرعہ فال میرزا علی اصغر خان امین السلطان کے نام برآمد ہوا جو بعد میں ناصرالدین شاہ کے آخری ایام میں تنہا مشیر شاہ اور مشاورت واعتماد کا حامل قرار دیا جاتا رہا۔ اس دور میں دربار ایران کا مطالعہ کریں۔ تو یہ صورتحال ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ تمام تقاضے اور مطالبے جو حکومت انگلستان کی جانب سے کئے جاتے تھے یہ دیکھے بغیر کہ ان میں سے مذاکرات کا سزاوار کونسا ہے۔ اور اعتراض کس پر کیا جاسکتا ہے۔ شاہ

کی طرف سے قبول کئے جاتے اور اُن پر عمل ہوتا البتہ اگر کسی
معاملے میں محسوس کیا جاتا کہ اس میں کسی مرحلے پر دشواری
کا امکان ہے۔ تو فرمان نافذ ہوتا کہ اس سلسلے میں سرحدی کمیشن تا
کرکے عمل کیا جائے (اس میں بھی) حکومت ایران کی طرف سے
میرزا محب علی خان ناظم الملک جو خراسان میں ناظم تھا۔ میرزا
جہانگیر خان، اس کا بیٹا میرزا محمد علی خان انجینئر اور عبدالرحیم
خان کاشف الملک، حاجی مہدی قلی خان میرزائے سہام الملک مقرر
ہوئے۔ جبکہ افغانستان سے جنرل غوث الدین خان، محکمہ قضاۃ
کے کچھ افراد اور ہرات کے خوانین مقرر ہوئے۔ جنرل مکلیان حکومت
انگلستان کی جانب سے بطور حکم مقرر ہوئے۔ تعینات کیے گئے
اس کمیشن کے کام نے طول کھینچا پانچ مہینوں میں آواخر ۱۳۰۵ھ ہجری
میں سرحدی نشانات کھڑے کئے گئے اور سرحدوں کا تعین اس طرح
ہوا کہ ہشتادان کا بہترین حصہ حکومت ایران کے حصے میں آیا
دیگر گیارہ قنوات افغانوں کو ملے۔ نشان اولی ایرانیوں کے ہاتھ
آیا۔ نشان اور بروج بنائے ہوئے نمکسار کی طرف جو غوریان
کی حدود میں جا نکلتا ہے۔ اس مقام کو تیغہ خرمی کہا جاتا ہے اس
کے قریب ہی چشمہ ذنگل ہے۔ اس کی مغربی سمت مملکت ایران
اور مشرقی سمت میں افغانستان ہے۔ عہد نامہ بھی اسی مضمون اور
چند ایک ابواب پر مشتمل تیار کیا گیا جسے ضروری ردو بدل کے
بعد ایران کی طرف سے نصرت الملک علی خان حکمران ایل تیموری
جو ہشتادان میں مامور ہوا اُس مقام پر قلعہ تعمیر کیا جس کا نام

بکلاغ پردہ مشہور ہوا۔ جبکہ میر محمد صدیق خان ابن منصور خان خزانی موسیٰ آباد اور خوش آبہ سرحدیں قائم ہوا۔ اسی سال کے آخر میں مملکتوں کے مقرر کردہ اصحاب اپنے اپنے مستقر کو لوٹ گئے۔

جنرل مکلیان نے جیسے کہ تاریخ عین الوقائع کے صفحہ ۲۳۵ پر مرقوم ہے۔ اس صحرا یعنی ہشتادان کی شہادت بھی قبروں کے لوح مزار سے حاصل کی یعنی یہ دیکھتا کہ قبر پر کسی ایرانی کا نام لکھا ہوا ہے تو وہ سمت افغانستان کا حصہ قرار دیا اپنی اس تدبیر پر عمل کرتے ہوئے اس نے جو فیصلے دیئے وہ فریقین کے درمیان نہ ختم ہونے والے اختلافات کا سبب بنتے رہے جن کے بارے میں سالہا سال تک حکومت ایران اور حکومت انگلستان کے سیاسی مدبرین میں خط و کتابت اور مذاکرات ہوتے رہے۔ جن کا کچھ بھی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ تاہم انگلستان کی یہ تدبیر کارگر ہوئی دشت ہشتادان جنرل مکلیان کی تجویز کے مطابق ایران اور افغانستان کے درمیان تقسیم ہوئی۔

میک لین کے استعفیٰ کے بعد ایک اور انگریز افسر کرنل تھا۔ مس ہولڈ ہرچ کمیشن کے اختیارات کا مالک بنا جس نے کوہ میر جاوا کو ایران اور ہندوستان کی مشرقی سرحد قرار دیا اسی کے نتیجے میں ایران کے مشرقی علاقوں کا خاتمہ ہوا اب تک یہ صورت حال برقرار ہے۔

ایک سال بعد جب ہولڈ ہیچ کمیشن کا کام مکمل ہوا دریائے ہیرمند (ہلمند) نے اپنا رُخ افغانستان کی جانب موڑ لیا یہ

امر ایک اور کمیشن قائم کرنے کا سبب بنا جو کرنل میکموہن کے اختیارات کے ذیل میں کام کرنے لگا۔ اس کمیشن نے ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۵ء تک ایران اور افغانستان کی سرحد متعین کی جو حسب سابق سیاہ کوہ کے علاقے سے سیستان کے بند تک اور وہاں سے ہلمند کی گذرگاہ کے اس موقع تک جہاں دریا دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس عظیم خدمت کے اعتراف کے طور پر کرنل میکموہن کو حکومتِ شہنشاہ ہندوستان نے نشانِ افتخار عطا کیا۔ اس طرح مسئلہ دریائے ہلمند جس کا پانی سیستان کی آبپاشی کے لئے حیات بخش ہے، حل ہوا۔

ذرائع آبپاشی

خطۂ سیستان میں زیر زمین آبی وسائل کی کمی ہے۔ چنانچہ اس کی زرعی اراضی اکثر و بیشتر دریا سے سیراب ہوتی ہیں۔ دریائے ہلمند ذریعہ آبپاشی ہے۔ سیستان میں اراضیات کی مٹی دریائے ہلمند اور دریائے خاش کی بچھائی ہوئی ہے۔ سیستان کے باشندوں میں ایک ضرب المثل بہت مشہور ہے کہ سیستان کی ترقی تین باتوں سے مشروط ہے۔ پانی ذخیرہ کرنے کے لئے بند باندھنا، ریت کی روک تھام کے بند اور مفسدوں کی تدارک کے بند۔ یہ دریائے ... سو کے قریب تالوں، آبی گذرگاہوں کے

ذریعے شہر ناروئی اور میانکنگی سے متصل ہے۔ دو سو اسی کلومیٹر چھوٹی نہریں اور دو سو بیس کلومیٹر طویل نہریں اس دریا سے نکالی گئی ہیں۔ اس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

یہ حوالہ یہاں غیر ضروری نہ ہوگا کہ سیستان کے حصے بیشتر زمینیں شورزدہ ہیں۔ اگر ضرورت سے زیادہ پانی میسر ہو تو یہ اس شور کو رفع کرنے کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ ازیں سیستان میں موجود نہریں اور نالے جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں زراعت پیشہ افراد نے خود احداث کئے ہیں۔ ان پر موٹر پمپ وغیرہ نصب کرکے زرعی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔

ایک طرف اگر دریائے ہلمند کا پانی زراعت میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے تو دوسری طرف اس کا رخ موڑنے، پانی میں کمی بیشی بیشتر زراعت کو بہت متاثر کرتا ہے۔ چنانچہ ایران اور افغانستان میں مسئلہ سیستان پر جتنے بھی اختلاف پیدا ہوئے مسئلہ آبپاشی ان میں بنیادی نکتہ رہا ہے۔

ہلمند ایران اور افغانستان میں اختلافات کی اساس۔

۲۲ ماہ اسفند ۱۳۵۱ کے ساڑھے گیارہ بجے کابل میں منعقدہ ایک اجلاس میں دریائے ہلمند کے تنازعہ کا تصفیہ ہوا یہ تنازعہ ایران و افغانستان کے درمیان تقریباً ایک سو بیس سالوں سے چلا آرہا تھا۔ جس کے باعث دو برادر ممالک جن کی نسل،

زبان، مذہب و ثقافت مشترک ہیں۔ متاثر ہو رہے تھے۔

محولہ بالا تاریخ میں اس تصفیے سے ایران کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس موضوع کی اہمیت اس کے دورِ ماضی کے جائزے کا مقتضی ہے۔

۱۸۵۷ء میں ایران نے پیرس قرارداد (معاہدہ) کے تحت افغانستان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ تاہم اُسی دن سے ایران اور افغانستان کی حکومتوں کے درمیان دریائے ہلمند کی ملکیت کا مسئلہ جو ان دو ممالک میں سے گذرتا ہے اٹھ کھڑا ہوا۔

ہیرمند کا دریا جسے افغانی اصطلاح میں "ہلمند" بھی کہتے ہیں ۱۱۰۰ کلو میٹر طویل ہے۔ کوہ بابا جو ہندوکش کے عظیم سلسلہ کوہ سے ہے۔ ہلمند کا منبع ہے۔ اس کا پانی ۵۰،۴۰۰ مربع کلومیٹر کو سیراب کرتا ہے یہ دریا گرشک کو عبور کرتے ہوئے نیم دائرے کی شکل میں جنوب مغربی افغانستان کو سیراب کرتے ہوئے بندکمال میں پہنچتا ہے۔ ازاں بعد شمال کی جانب بہتے ہوئے بند کوہک پہنچتا ہے۔ (یہ مقام سد کے نام سے موسوم ہے جو وہ حسن خروشِ خط۔ میاہ کے وسط میں ایران اور افغانستان کی تقسیم کرتا ہے) بند کوہک میں آ کر دریائے ہلمند دو دریاؤں میں منقسم ہو جاتا ہے ایک دریائے سیستان جو مغرب کی جانب بہتا ہے۔ دوسرا دریائے پریان ہے۔ جو طے مسافت کے بعد دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ "نیاتک" اور مارنجگ۔ کی سیرابی کے بعد اس کا فاضل پانی ہامون میں جا گرتا ہے البتہ میاہ کے وسط میں پہونچکر دریائے پریان نادعلی کے دشت

سے گذرتا۔ دائیں ہاتھ دریائے ہلمند بلوک اور چخانسور جو افغانستان میں واقع ہیں۔ پہونچکر قلعہ کنگ کی مناسبت سے یہی نام اختیار کرتا ہے۔ جبکہ بائیں طرف دریا بلوک کے نام سے میانکنگی میں پہونچ جاتا ہے۔ جو ایران میں واقع ہے۔

دریائے ہلمند کے دوسری جانب افغانستان کے حصے کا سیستان واقع ہے۔ جس کا بیابان کنکر بھرا ہے۔ اور زراعت کے لئے موافق نہیں۔ زرعی اعتبار سے کسی طرح بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تاہم دریا کے اس طرف جو ایران کے حصّے میں ہے۔ اس کی زمینیں بیحد زرخیز اور زراعت کے لئے موزوں ہیں۔ تیمور کے حملے سے قبل موضع کمال خان کے نواح میں دریائے ہلمند پر ایک بند باندھا گیا تھا۔ مغرب کی جانب کے علاقوں میں وسیع و عمیق آبی ذخیرہ تھا۔ جو سیستان کے جنوبی علاقوں کو سیراب کرتا تھا۔ جبکہ دریائے ہلمند زاہدان کے شمال مغرب سے گذرتا ہوا بہت سے قصبات اور قریوں کو آباد کرتا تھا لیکن جب امیر تیمور نے حملہ کیا اور شاہرخ کے حکم سے اس بند کو تباہ کر دیا گیا۔ جھیل کا یہ علاقہ پانی سے محروم ہوا۔ اور اس خطے میں بسنے والوں کی ایک بڑی تعداد نے اطراف جوانب کے علاقوں کا رخ کیا۔

دریائے ہلمند کا ڈیلٹا قرنہا قرن سے لوگوں کا مامن و مسکن رہا ہے۔ ایک گروہ زراعت پیشہ رہا ہے۔ جبکہ دوسرے لوگوں کی مال مویشی پالنے پر گذر اوقات ہے۔ سیستان میں اعلیٰ نسل گائے ملتی ہے۔ جس کا وزن ۵۰۰ کلو گرام تک ہوا کرتا ہے۔ سیستان

اور چخانسور کی زرعی اراضی جو دریا سے نکالی گئی نہروں سے سیراب ہوتی ہے۔ ان نہروں کی دیکھ بھال مسلسل محنت و توجہ کی طالب رہی ہے۔ اس لئے کہ موسم گرما میں ایکسو بیس روز تک چلنے والی ہوائیں باعثِ تبخیر اور ریگِ رواں سے نہری وسائل کو نقصان پہنچاتی ہیں اور ریت سے بھر جانے کے بعد نہروں کی گذرگاہیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ افغانستان کے قیام کے بعد سے دونوں ممالک کے درمیان تقسیمِ آب اکثر وجوہ اختلاف رہا ہے۔ جس کی علت صدر میں بیان کی جا چکی ہے۔ حکومت ایران کا نقطہ نظریہ رہا ہے کہ افغانستان کی حکومت دریائے ہلمند پر بند باندھنے کی اس لئے مجاز نہیں کہ اس سے دریا اپنی دوامی گذرگاہ بدلتا ہے تو سیستان کے نواح میں معاشی اعتبار سے نقصان ہوتا ہے۔ افغانستان بھی اسکو قبول کرتا ہے مگر دونوں ممالک کے درمیان اختلافات ایسے مطالبات سے پیدا ہوتے رہے۔ جن سے مذاکرات بار بار ناکام ہوئے۔

ان اختلافات کے سدِباب کے لئے دونوں ملکوں نے معاہدۂ پیرس ۱۸۵۷ء پر دستخط کئے۔ اور اس امر پر اتفاق کیا تھا۔ کہ اس معاملے میں حکومت انگلستان کو ثالثی کا اختیار ہوگا۔ چنانچہ جب اس معاملے میں اختلافات بڑھے تو طرفین نے حکومت انگلستان سے مسئلہ ہلمند پر تعاون کی درخواست کی۔ حکومت انگلستان نے جنرل گولڈ اسمتھ کو اس موضوع پر مذاکرات کے لئے مامور کیا۔ گولڈ اسمتھ نے معاملے کی تحقیق کی، معائنہ اور مطالعہ کے بعد ۱۸۷۲ میں اپنی سفارشات ایک رپورٹ میں اس طرح پیش کیں۔

"دریائے ہلمند سے سیستان میں آبپاشی اور زراعت کے مقصد سے ایران کے حق کو مقدم سمجھا جائے اور ترجیح دی جائے۔ ہلمند کے بالائی حصوں کو ایران کی مرضی و منشاء کے مطابق تشکیل دینا چاہیئے۔"

ایران اور افغانستان کی حکومتوں نے اس کے باوجود کہ گولڈ اسمتھ کی تجاویز پر صاد کیا مگر حکومت افغانستان نے اس پر عمل نہیں کیا۔

۱۸۷۲ء میں سرفیڈرک گولڈ اسمتھ لطور حکم وارد سیستان ہوا۔ طرفین کی زمین کو دریائے ہلمند کا علاقہ قرار دیا۔ ۱۸۹۶ء میں دریائے ہلمند میں شدید سیلاب آیا اور دریا نے اپنی گذرگاہ بدل ڈالی جس کے باعث ایران کی بہت سی زمینیں افغانستان کے حصے میں آگئیں۔ ان اراضیات کو "میان گنج" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ جن کا تعلق ایران سے تھا۔ حکومت ایران نے اس باب میں متواتر کوششیں کیں۔ اور استرداد اراضی کے تقاضے کئے ۱۹۰۲ء میں ایران نے حکومت انگلستان سے مصالحت کی درخواست کی اس مرتبہ حکومت انگلستان نے کرنل میکموہن کو لطور ثالث و حکم مقرر کیا۔ میکموہن نے سیستان اور اس میں "ڈیڑھ ہزار فوجیوں کو اس معاملے کی سیاسی اور انتظامی اہمیت کے حوالے سے استعمال کیا اور کوششیں کیں کہ مختلف تشریحات و تجاویز پر دونوں ملکوں کے اختلافات ختم ہوں اور کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔

کرنل میکموہن نے ایرانی اور افغانستان کی سرحدیں دریائے ہلمند کے منبع سے اس مقام تک جہاں دریا دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ مقرر کردیں۔ اس ترتیب میں گولڈ سمتھ نے جو سفارشات پیش کی تھیں اُن

کو ایران کے مفاد میں نظر انداز کرتے ہوئے ایک تہائی پانی ایران کے لیے اور دو تہائی افغانستان کے لئے واگذار کی اس صورت میں کہ تمام اراضی جو افغانستان کی دریائے ہلمند سے سیراب ہوتی ہے سیستان ایران کی ایک تہائی اراضی نہیں بلکہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ سمجھوتہ محض ایران کو نقصان پہنچانے اور افغانستان کو مستفید کرنے کے لئے ہوا۔ افغانستان کو قدیم اور جدید انہار کی مرمت و احداث کی جو اجازت دی گئی۔ اس سے ایران میں بہنے والے دریائے ہلمند کے بائیں کنارے کو آباد کر کے اہالیان سیستان کو جو پانی سے محروم ہونے کے خطرے سے دوچار تھے وہاں جمع کر کے بسایا گیا۔ حکومت ایران نے اپنے اعتراضات ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں انگلستان کے سفارتخانہ متعینہ تہران کو اس پورے انتظام کے نقائص و اعتراضات بہ تشریح پیش کئے جس کا جواب سفارت خانے نے ۱۲ محرم ۱۳۲۴ھ مطابق ۸ مارچ ۱۹۰۶ء کو یہ دیا کہ "یہ بجا ہے۔ کہ حکومت ایران کو ان تجاویز کے قبول نہ کرنے پر اصرار ہے لیکن جیسے کہ نومبر ۱۹۰۲ء کے سمجھوتے میں قرار پایا ہے۔ اس امر کی توضیح و عقدہ کشائی حکومت انگلستان کے وزیر خارجہ کے استصواب پر موقوف ہے۔

وزارت خارجہ ایران کے اٹھائے گئے ان اعتراضات کا جو ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں سفارتخانہ انگلستان متعینہ تہران کو پیش کئے گئے تھے۔ جن کا جواب سفارتخانے سے ۱۲ محرم ۱۳۲۴ھ مطابق ۸ مارچ ۱۹۰۶ء موصول ہوگئے ایسے وقت میں

ایران کے سپرد کیا گیا کہ اہلِ ایران جدوجہد آزادی، مساوات و برادری سے دوچار ہو چکے تھے اور ایران کے حالات دگرگوں اور درہم برہم ہو چکے تھے۔ ایسی حکومت موجود ہی نہ تھی جسے سیستان کی فکر ہوتی۔ جبکہ سیستان کے علاقے انگریز حکومت کے عمال کے مظالم کا سامنا کر رہے تھے۔ جب میکموہن اور اس کے ساتھیوں نے سیستان چھوڑا تو یہ علاقہ جہنم زار بن چکا تھا۔ ان دنوں ایران کی سالمیت انگریزوں کے بوسیدہ اور نوچے ہوئے استخوان سے بڑھ کر کچھ نہ رہی تھی۔ حکومت انگلستان اپنے سیاسی مقاصد کے تابع ایران کی کمزوری، تباہی اور سیستان کی بے بضاعتی کے درپے تھی۔ وہ سیستان جو کبھی ایران کے اناج کے ذخیرے کا نام تھا۔ اور میکموہن جیسے شخص نے بھی اسے مصر ثانی کہا تھا۔ آج خرابہ اور ویرانہ تھا۔

۱۳۰۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں امیر شوکت الملک نے حکومت ایران کی طرف سے افغانستان سے مذاکرات کئے جو بے نتیجہ ثابت ہوئے۔

۱۹۳۷ء میں ایران اور افغانستان کی حکومتوں نے معاہدہ کوہک پر دستخط کئے اس قرارداد کی رو سے طے پایا کہ بند کمال خان کے مقام پر دریائے ہلمند برابر برابر تقسیم کیا جائے۔ افغانستان نے اس سمجھوتے پر بھی عمل نہ کیا۔

۱۳۱۷ ہجری باقر کاظمی جو سفیر کبیر ایران کے عہدے پر افغانستان میں مقرر ہوئے وہ کابل گئے۔ افغانستان کے ارباب حل و عقد سے مذاکرات کئے اور ۱۲ دفعات پر مشتمل معاہدہ وزیر

خارجہ افغانستان کے دستخطوں سے مرتب کرایا۔ ۱۹۳۷ء کے سمجھوتے کی مانند اسے بھی طرفین نے منظور کیا کہ بند کمال خان کے مقام پر دریائے ہلمند کا پانی برابر برابر تقسیم ہو۔ حکومت افغانستان نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ نہروں کے رخ تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی جس سے سیستان کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ اس سمجھوتے کی دفعہ ۸ کی رو سے طرفین اس پر بھی متفق ہوئے کہ ایسے ہر اقدام سے اجتناب کیا جائے۔ جس سے دوسرے ملک میں نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہو۔ یہ سمجھوتہ ۸ اردی بہشت ۱۳۱۸ھ میں توثیق کے لئے ایران کی مجلس شوریٰ میں پیش ہوا۔ مجلس افغانستان نے بھی سمجھوتے کی توثیق کی مگر ایسا اشارہ دیا کہ اپنے مفاد میں برابر اختلافات موجود ہیں۔ جو وسطی مشرقی علاقے سے متعلق ہیں ان کی توثیق نہیں کی گئی۔

۱۳۲۲ شمسی (مطابق ۱۹۴۳ء) جب یہ اختلافات شدید تر ہو گئے رعایہ اور اہالیان علاقہ نے ارادہ کر لیا کہ وہ خود آگے بڑھ کر بند وغیرہ توڑ ڈالیں اور پانی جاری کرالیں ان دنوں جناب محمد علی خان کیانی شوکت الملک کی جگہ سیستان کے حاکم مقرر ہوئے تھے۔ تقریباً دس برسوں تک دریائے ہلمند کا یہ تنازعہ ایران اور افغانستان کے درمیان قائم رہا ۱۹۴۹ء میں ڈیلٹا کمیشن کی تشکیل ہوئی۔ جس میں یہ تین خصوصی فنی ماہرین شامل تھے۔ چلی کے پروفیسر محکمہ آبپاشی امریکہ کے ایک انجینئر اور کینیڈا کے ایک انجینئر پر یہ کمیشن مشتمل تھا۔ اس کمیشن نے ۱۹۵۰ء میں اپنے کام کا آغاز کیا اور اسی سال اپنی رپورٹ پیش کی۔ کمیشن نے جو رائے ظاہر کی وہ حکومت ایران نے نقطہ نظر کے مطابق نہ تھا۔ اس کے نتیجے

میں حکومت ایران نے افغانستان سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ براہِ راست مذاکرات اس مسئلہ کو حل کرنے کی غرض سے منعقد کیے جائیں۔ چنانچہ متعدد مرتبہ ایران اور افغانستان کے درمیان مذاکرات ہوئے مگر ہر مرتبہ ناکامی ہوئی۔ تا آنکہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء بادشاہِ افغانستان نے اپنے خلوص کا اظہار کرتے ہوئے دو میٹر مکعب پانی کا اس مقدار میں ایران کیلئے اضافے کا اعلان کر دیا۔ جو کمیشن نے قرار دیا تھا اس کا جدول مرتب کیا گیا۔ اور مذاکرات مکمل ہوئے ۱۳۴۹ھ میں ایران کی جانب سے نئے سرے سے دعوے کی بنا پر دونوں ملکوں کے نمائندوں نے ان پر تبادلہ خیال کیا۔ اور اس بحث و نظر نے خرداد ماہ ۱۳۵۱ھ تک طول کھینچا جب کہ اس دور کے وزیر خارجہ ایران اردشیر زاہدی موسیٰ شفیق وزیر خارجہ افغانستان کی دعوت پر خصوصی دورے پر افغانستان گئے اور اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کے حضور باریاب ہوئے۔ اس کی منظوری حاصل کی کہ دریائے ہلمند کے مسئلے پر مذاکرات کیے جائیں اس سے پہلے ۱۳۵۰ھ میں محمود فروغی سفیر ایران کابل افغان حکام سے مذاکرات کی طرح ڈال چکے تھے یہ تمام مذاکرات دوستانہ ماحول میں افہام و تفہیم کے ساتھ تین ہفتوں تک جاری رہے اور دریائے ہلمند کے معاملے پر ایک سمجھوتے کی زمین تیار ہوئی۔ جو سو سالوں سے مایہ نزاع رہا تھا اور متعدد خشک سالیوں کے باعث غالباً طرفین میں مخاصمت اور کدورت کی بنیاد بنا رہا۔ آواخر دی ماہ ۱۳۵۱ھ میں افغانستان کے ایک افسر آقائے میر محمد اکبر رضا رئیس وادئ ہلمند مذاکرات کے لئے شہریور ماہ میں کابل سے تہران آئے

اور دریائے ہلمند کے مسئلے پر اتفاق اور سمجھوتے کے بعد معاہدہ طے پا گیا۔

۲۰ بہمن کے روز صفی اصفیا مشرو نائب وزیر امور اقتصادیات و عمرانیات نے کابل کا دورہ کیا ان ملاقاتوں میں سفر کے مقاصد اور ایران کی نمائندگی کے اختیارات پر غور و خوض ہوا۔ ۱۳۵۱ کے دوسرے مہینے کی ۲۱ تاریخ کو معاہدے کو آخری شکل دے کر پہلے دونوں ملکوں کے وزراء نے دستخط کئے معاہدے پر دستخط سے کچھ پہلے وزیر اعظم افغانستان نے دونوں ملکوں کے عوام کے نام اپنے پیغام میں کہا۔

"جو تجویز اس وقت قابل عمل ہے وہ دریائے ہلمند کے مسئلے سے نبٹنے کی بہترین صورت ہے۔ اس معاہدے کی رو سے اس دشواری کا حل تلاش کر لیا گیا ہے۔ یہ گویا آسمانی رحمت ہے دونوں ملکوں کے حق میں۔ افغانستان کی حکومت کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے۔ کہ مسئلہ ہلمند جو سو سالوں سے دو ملکوں میں قربت اور دوستی کی راہ میں حائل رہا۔ مستقبل میں اس کی راہ کی رکاوٹ نہ بنے۔ اگر ہم دیکھیں اس مسئلہ کی وجہ سے کشیدگی و اختلافات سو سالوں پر محیط ہے جو ایران اور افغانستان کے عوام کی بربادی کی دلیل بن چکا ہے۔ یہ کامیابی باشاہ دونوں ملکوں کے بادشاہوں کی خواہشات کا مظہر ہے۔ جن کی خرد مندانہ اور تہہ دل سے تمنا رہی ہے کہ ایران و افغانستان کی ملت ان تمام اسباب کا خاتمہ کریں۔ جن سے ان کے درمیان کشیدگی اور رنجش کا آج اور آنے والی کل میں احتمال ہے۔"

افغانستان سے واپسی کے موقع پر حکومت ایران کے سفیر، وزیر نے

اس بارے میں کہا۔

"اس اقدام سے اعلیٰ حضرت ہمایوں شہنشاہ آریا مہر اور اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ نے صدق و صفا سے ایران اور افغانستان کو ایک گہری مصیبت سے نجات دلائی ہے۔ جو ایک قرن سے دونوں ملکوں کے عوام کو درپیش رہی ہے۔ اب سابقہ اخوت و الفت کے لئے مستقبل اس قدر روشن ہے جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ مسئلہ ہلمند کے خاتمے کے بعد اب ان ملکوں کے تعلقات میں کوئی امر مانع نہیں رہا۔"

معاہدہ ہلمند بارہ شقوں پر مشتمل ہے دو پروٹوکول بھی شامل ہیں جو کمشنروں کی حدود اختیارات سے بحث کرتے ہیں۔ اور اختلافی صورت میں اس کے نبٹانے کی راہ تجویز کرتے ہیں۔ کہ دونوں ممالک مقننہ کے استصواب کے بعد قابل عمل ہوں گے۔

اس معاہدے کی بنیاد وہی ہے جو سال ۱۳۳۰ھ میں ایران کی جانب سے تجویز کیا گیا تھا۔ اس معاہدے میں باصراحت کہا گیا ہے کہ ایران اس مقدار سے زیادہ پانی کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ جو مقرر کیا جا چکا ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر دریائے ہلمند میں پانی کی مقدار بڑھ بھی جائے چاہنے کے باوجود وہ افغانستان سے عہد نامہ کے مطابق اس حق کے استعمال سے باز رہے گا۔ ایسا کوئی اقدام ایران نہیں کرے گا۔ جس سے زراعت کی غرض سے پانی کا نامناسب استعمال ہو۔ یا وہ پانی کو کسی طرح کے کیمیائی مواد سے آلودہ کرے۔ اس معاہدے کی طرفین میں اختلاف روک تھام کی تین صورتیں متعارف کرائی

گئی ہیں۔ ڈپلومیٹک طریق کار، ثالث سے رجوع کرنے یا شدید ترین
نزاعی امور میں مقرر کردہ دو چیف کمشنروں اور اُن کے معاونین سے
مدد لینا طرفین معاہدہ ان دو چیف کمشنروں اور اُن کے معاونین کا
انتخاب کر کے متنازعہ معاملات کو باہمی گفت وشنید سے حل کرینگے
ہیں۔ اس ضمن میں یہ اضافہ کرنا غیر ضروری نہ ہوگا۔ کہ افغانستان میں بہرا
کے مقام پر آبپاشی کا قائم محکمہ متذکرہ صدر معاہدے کی رو
سے دریائے ہلمند کے پانی سے ایران کو ایک خاص مقدار میں
پانی سپلائی کرتا ہے۔ ایران کے لئے دریائے ہلمند سے چھوڑے
جانے والے پانی کی مقدار ۲۲ میٹر مکعب فی سیکنڈ مقرر ہے۔
اس میں مختلف مہینوں میں فی صد کے حساب سے کمی بیشی ہوتی
رہتی ہے۔ پانی کی زیادہ تر مقدار بہمن اور اسفند کے مہینوں میں
ایران کے لئے جاری ہوتی ہے۔ جو تقریباً ۸۰۰۱۶ میٹر مکعب
فی سیکنڈ ہے۔ جبکہ کمتر مقدار مہر و آبان کے مہینوں میں ہوتی ہے
جو ۵ میٹر مکعب فی سیکنڈ ہے۔

خرداد کے مہینے میں افغانستان کی پارلیمان نے ایران افغانستان
سمجھوتے کی ۱۹۵۲ء میں توثیق کی۔ اس عہد نامے کی دستاویزات
کا اب تک تبادلہ نہیں ہوا۔ چنانچہ اس پر عملدر آمد نہ ہونے
سے لازماً سیستان اب تک غیر معمولی طور پر پانی کی کمی سے
مشکل صورتحال میں مبتلا ہے۔ اس لئے کہ ارغنداب اور کجکی
کے مقامات پہ افغانستان نے دریا پہ جو بند وغیرہ باندھ رکھے
ہیں۔ ایسے بندات پانی کے بہاؤ کا راستہ ایران کی جانب

محدود کرتے ہیں۔ پانی سے استفادہ نہ ہونے کی صورت میں
زابل کی زرخیز زمینیں ناتراشیدہ الماس کی طرح سخت ہو کر
رہ جاتی ہیں۔ یہ امر اس کی شہادت ہے۔ کہ کنکر پتھروں کے
بہہ کر آنے کی وجہ سے سیستان کے کشت زار خرابے میں بدل
رہے ہیں۔ پانی کی کمی اور دیگر وجوہ سے زرعی اراضیات بنجر ہو رہی ہیں
سیلاب کے ساتھ بہہ کر آنے والی بجری اراضیات اور مزارعین کی گزران
کے لئے خطرناک ہو جاتی ہیں۔

باب پنجم

بلوچوں کی اجتماعی معاشرت

مقامی اور غیر مقامی کا فرق

جب بلوچستان میں وارد ہوں تو دو گروہ نظر آئیں گے ای
عام لباس میں اور دوسرا مقامی لباس پہنے ہوئے ملے گا۔ ان دو
میں بہ وقت تمام یہ فرق کر سکیں گے کہ ان دونوں میں کوئی با
رابطہ بھی ہے۔ بلکہ یہ ایک دوسرے کے پاس سے بے اعتنا
سے گذرتے ہوئے سلام بھی نہیں کرتے ۔ ان کے درمیان ایسی کو
علامت نظر نہیں آتی ۔ جو ان کے ربط وضبط کی نشاندہی کرتی ہو۔ ا
ایک گروہ کے کسی فرد سے دوسرے کی بابت استفسار کریں گے
تو وہ ماسوائے برائی کرنے اور کیڑے نکالنے کے اور کچھ نہیں بت
گا۔ وہ ایک دوسرے کو بالکل ہی ناپسند کرتے ہیں۔ عام لبا
میں ملبوس گروہ کو دیکھتے ہوئے آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا

کہ اس گروہ کو زبردستی بلوچستان میں لاکر بسایا گیا ہے جو گروہ مقامی باس میں ہے - ایسا لگتا ہے کہ اس نے دوسرے گروہ کو مجبوراً قبول کر لیا ہے - نہ پہلے گروہ کی یہ خواہش ہے - کہ مقامی لوگوں کے بارے میں معلوم کرے کہ وہ کون ہیں نہ دوسرے کے بارے میں مقامی آبادی میں جستجو اور تجسس ہے کہ وہ کون ہیں نہ دوسرے کے بارے میں مقامی آبادی میں جستجو اور تجسس ہے کہ انہیں کون کیوں لاکر بسایا گیا ہے۔

گو ان میں سے ہر ایک کا راستہ الگ ہے - مگر درپردہ ایک دوسرے پر بلاوجہ دانت پیستا ہے - بُرا بھلا کہتا ہے - اگر کسی ایک گروہ کی باتیں علیحدگی میں سنی جائیں تو سننے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ دوسرا گروہ بھولا ہے - مدت دراز سے کہ جس کی ابتداء ۱۳۰۷ء میں ہوئی اقتدار و حاکمیت کے سالاروں نے مرکزی رژیم کی بالادستی بلوچستان میں مسلط و مستحکم کی - دو متوازی گروہ تشکیل پائے جو اب تک بہت ہی کم باہم دیگر قریب ہو سکے - فی الحقیقت بلوچ آج بھی اسی راہ پر گامزن ہیں - جس پر ماضی میں قائم تھے - تازہ وارد بجائے کہ ان کی پیروی کریں یا اُن کو اپنی راہ پر ڈالیں اپنی اپنی راہیں الگ جا رہے ہیں - کبھی ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے ہیں کبھی دور ہٹ جاتے ہیں۔

وجوہ :

ان دونوں گروہوں کی باہمی احساس بیگانگی کی بہت ساری

وجوہات ہیں ان نمایاں وجوہات پہ ایک نظر ڈالتے ہیں

الف: تاریخی وجوہات

بلوچستان ایران کا دور افتادہ علاقہ ہے۔ مرکزی رژیم اور بلوچستان کے ربط میں بہت بڑی روکاوٹیں اور موانعات حائل رہی ہیں۔ ایران کی طویل ترین تاریخ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے زمانے میں بلوچستان رسمی طور پر ان کا حصہ رہا ہے۔ جبکہ کمزور بادشاہوں اور حکومتوں کے عہد میں مرکزی حکومت اور بلوچستان میں تعلقات کا پتہ نہیں چلتا۔

ان تاریخی ادوار میں جبکہ ایران پر طاقتور بادشاہوں کی حکومت رہی تھی۔ بلوچستان کے سرداروں اور مقامی خوانین کی سرکشیوں کی سرکوبی کا پختہ تہیہ کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ انتظامی عمل جب بلوچستان میں شروع کیا گیا۔ تو اس کا نتیجہ بہت بڑی تعداد کی قتل وغارت کی صورت میں نکلا ہے۔ ہرچند کہ اس قتل و خونریزی نے وقتی طور پر بلوچستان میں مرکزی حکومت کے ہاتھ مضبوط کئے ہوں گے۔ مگر محض تخریب کی حد تک اور اس میں تعمیر کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ مرکزی رژیم کی مکمل حاکمیت و استحکام کے لئے قتل و مقاتلہ، مالیاتی استحصال کی جبری پالیسی کا نفاذ صرف طاقتور بادشاہ کے دور میں ممکن رہی جونہی وہ بادشاہ درمیان نہ رہا نتیجتاً اس سلطنت کی وہ پالیسی بھی ساتھ ہی رخصت ہوگئی۔ یہ کہاوت مشہور ہے کہ تاریخ

ایران کے طویل ترین دور میں بلوچوں نے مرکزی رژیم سے کسی مرحلے پر بھی بھلائی نہیں دیکھی اور قتل و خونریزی، تباہی و بربادی کے سوا بلوچوں نے کبھی بھی ان سے نیک توقعات وابستہ نہیں کیں۔ یہ غلط نہ ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ چند حکمرانوں کے سلسلے ایران میں فرشتہ اجل بن کر آئے جب بھی بلوچستان میں کوئی حد سے بڑھ کر ظلم کرتا ہے۔ تو اُسے "ترک و مغل" یا گجر (قاچار) سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ بلوچ بچے ان تین لفظوں سے بیحد خوفزدہ ہوتے ہیں۔ اُن کی مائیں انہیں چپ کرانے کے لئے ان کلمات سے کام لیتی ہیں۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ جن معروف خاندانوں نے ایران پر حکومت کی اُن میں ترک (غزنوی۔ سلجوقی) مغل اور قاچار تھے۔ اس امر کی تردید ممکن نہیں کہ بلوچ ان بادشاہوں کے ظلم و ستم کے تذکرے کیوں کرتے ہیں یا ظلم و ستم ان کی شناخت کیوں ہوگئی ہے تاریخ ایران کے عظیم دور میں بلوچستان کا مرکزی حکومتوں سے تیرہ بختی اور خونین تعلق رہا ہے۔ یہ صرف مغربی بلوچستان کی بدقسمتیوں کی داستان نہیں بلکہ مشرق میں بلوچستان کے وہ حصے جو سندھ اور پنجاب سے ملحق ہیں۔ یا شمال میں افغانستان سے متصل وہاں کی بھی خونچکاں داستان ہے اس کا باعث (غالباً) یہ ہے کہ بلوچوں نے اپنی طویل تاریخ میں یہ بات پیش نظر رکھی ہے کہ غیر بلوچ کو وہ اپنی صفوں میں شامل نہیں ہونے دیتے اگر کبھی طوعاً کرہاً غیر بلوچ کی اطاعت پر مجبور

ہو بھی جائیں۔ سازگار حالات کے جویا و منتظر رہتے ہیں، جونہی سازگار حالات پاتے ہیں۔ غیر بلوچ حاکم سے دور ہوتے ہیں۔ اور جب تک تابع ہیں غیر بلوچ حاکموں سے ربط و ضبط نہیں بڑھاتے۔ یہاں ترک اور مغلوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف قاچار کے دور کے حوالوں پہ اکتفا کریں گے جس سے معلوم ہوگا۔ کہ قرابت کی شرائط تاریخی اعتبار سے عملاً کیا رہی ہیں۔ ایک مرتبہ حبیب اللہ نام کے ایک شخص نے جو امیر توپخانہ کے نام سے معروف تھا۔ بلوچ باغیوں اور تخریب کاروں کی سرکوبی کے نام سے بہت بڑی تعداد میں بلوچ مردوں، عورتوں کے قتل کے بعد قیدیوں کی ایک خاصی تعداد اپنے بہادروں کو بخش ڈالی، سپاہیوں نے بلوچستان سے واپسی پر بد قسمت قیدیوں کو جن میں مرد عورتیں اور بلوچ لڑکیاں شامل تھیں آذربائیجان زنجان، یزد اور فارس میں بیچ ڈالا۔ اس عمل کے نتیجے میں کئی ہزار بلوچ اپنے گھروں سے بے گھر ہو کر رہ گئے۔ جب یہ خبر تہران میں مرکزی حکومت کو پہنچی ایک سید کی درخواست پر، اور سادات کی نفرت کے خوف سے جن بلوچوں کو فروخت کیا گیا تھا۔ ان کے خریداروں سے واپس لے کر کرمان میں جمع کیا گیا۔ باوجود کوشش اور جستجو کے تین ہزار سات سو (۳۷۰۰) سے زیادہ بلوچ مختلف علاقوں سے بازیاب نہ ہو سکے۔ انہیں جمع کر کے دوبارہ بلوچستان بھجوا دیا گیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ان افراد، ان خاندانوں سے جو اپنی قوم سے بچھڑ گئے انہوں

کے ظلم کی وجہ سے دُور سے جا بیٹھ گئے وہ اپنے غارتگر قاچاریوں سے خوش ہو کر ان کا استقبال کریں؟ ایک اور سبب تاریخ کے ان وحشیوں کا۔ اُن کے عمّال کا وہ حیوانی سلوک اور دباؤ رہا ہے۔ جو مالیہ جمع کرتے ہوئے انہوں نے بلوچوں سے روا رکھا۔ قاچار کے مالیہ جمع کرنے والوں کا یہ دستور تھا۔ کہ اگر کوئی مالیہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا اس کے بیوی بچوں کو مالیہ کے عوض لے جاتے ان بلوچ بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جو مالیہ کے عوض چھین لئے گئے تمام خاندان اس بربریت اور بہیمیت کو ابھی تک نہیں بھولے ہوں گے۔

مجموعی ثقافتی و فکری عوامل

سال ۱۳۰۰ کے بعد بلوچستان میں جو حکام و عمّال آتے رہے یہ وہ لوگ تھے جو بلوچستان کی اجتماعی مقتضیات کے برعکس زندگی گذارتے تھے۔ اور جس طرزِ معاشرت کے وہ خود تابع تھے چاہتے تھے۔ کہ بلوچ بھی اس کی تقلید کریں۔ جبکہ بلوچی معاشرت ان کی طرزِ زندگی سے کاملاً مختلف تھی۔ نووارد عمّال کی طرزِ زندگی بلوچی معاشرت سے کہیں بھی مشابہ نہ تھی۔ اس لئے یہ عمّال مدرسوں کے فارغ التحصیل تھے۔ نئے افکار و خیالات

سے آشنا تھے، انقلابات اور جمہوری معاملات کا شعور رکھتے تھے۔ اور اسی کے مطابق عمل پیرا تھے۔ جبکہ مقامی لوگ اپنی معاشرت میں مگن تھے۔ معاشرت کے اس فرق نے مقامی اور غیر مقامی میں اختلافات کو باقی رکھا۔ جبکہ باہمی آشتی اور مفاہمت کے خاتمے کے لئے اقدامات سرے سے کئے ہی نہیں گئے۔

مدرسوں میں اکثر وبیشتر ایسا اتفاق ہوا کہ دو غیر بلوچ اور بلوچ ہم مکتب رہے مگر سالہا سال ان میں باہم گفتگو نہ ہوئی اور ہوئی بھی ہو تو بہت کم۔ اس کا امکان ہی کہاں کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہوں۔ اور ایک دوسرے کے ہاں اُن کا آنا جانا رہے۔ حکومتی عمال بلوچوں کو نافہم اور وحشی قرار دیتے رہے ان کے شعور و آگہی کی جستجو کی خواہش نہ کی۔ بلوچوں نے جب ان کا ایسا رویہ دیکھا ان سے رابطے منقطع کرنے، ان کے تازہ اقدامات کا جواب تحقیر سے دیا۔

یہی وجہ ہے کہ کئی سال گذرنے کے بعد بھی فارغ التحصیل بلوچوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاتی ہے۔ ۱۳۲۹ھ تک پورے بلوچستان میں چار یا پانچ ڈگری یافتہ بلوچ پیدا ہوئے جو ۱۳۳۰ھ میں یونیورسٹی میں داخل ہوئے تھے۔ ۱۳۳۵ سے سال ۱۳۴۵ یعنی دس سالوں میں ایک بھی بلوچ ایران کی یونیورسٹیوں میں نہیں پہنچا ۱۳۴۵ھ میں دو تین طلبا یونیورسٹی آئے۔ ۱۳۴۶ھ میں داخلہ لینے والوں کی تعداد چار، ۱۳۴۷ھ میں پانچ اس سے بعد ہر سال دو طالب علموں کا اضافہ ہوتا رہا۔ البتہ روسا اور صوبے

کے حکام اس عرصے میں مکمل طور پر بیکار بیٹھے رہے اور اپنے بیٹوں بیٹیوں کو مقامی قرار دے کر یونیورسٹیوں میں داخلے دلاتے رہے۔ بلوچوں اور خصوصاً زابلیوں کے لئے بہت پہلے سے جو نشستیں علمی اداروں میں مخصوص تھیں۔ حکام و عمال ذی پردہ ان نشستوں پر اپنے بچوں کو بھجواتے رہے۔

اقتصادی اسباب

بلوچستان میں مالکوں اور بڑے زمینداروں مالداروں کی تعداد بہت کم ہے۔ ۹۹ فیصد بلوچ چھوٹے مالدار ہیں۔ ان کی آمدنی کی حد سال بھر میں چار سو پانچسو تومان ہے جبکہ بارشوں کے نتیجے میں آباد دنوں میں ایسے مالک دو سو سے تین سو تومان ششماہی میں کما لیتے ہیں۔ قحط کے سالوں میں یہ اوسط بہت گھٹ کر ادھا رہ جاتا ہے۔ بلوچ عوام اس صورتحال میں سخت اقتصادی بدحالی بلکہ فقر و فاقے کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ حکام اور ارباب حل و عقد کھانے کی حد تک مالی معاملات میں توجہ دیتے ہیں اور اُن کا یہ حق اُن کی مدت تعیناتی میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس بلوچ کاشتکاروں اور گلہ بانوں کی آمدنی میں نہ صرف اضافہ کی امید نہیں ہوتی بلکہ وہ نئے کپڑے تو درکنار اپنے پرانے کپڑوں سے بھی محروم ہو کر فقیر بن جاتے ہیں۔ حکام

ط یہی صورت پاکستانی بلوچستان میں بھی مدتوں سے چلی آرہی ہے۔

د عمال جو ان کے حقوق کے نگراں ہیں وہ ان کی فلاکت زدگی اور فقیرانہ حالت سے نفرت کرتے ہیں اور دوسروں کو متنفر کرتے رہتے ہیں۔ مقامی لوگ بھی جو اپنی حالت کا حقوق کے نگراں افراد سے تقابل کرتے تھے۔ اپنی بدقسمتی کا انہی کو ذمہ دار گردانتے ہوئے ان کو استعمارگر کے نام سے پکارتے تھے۔ ہر گذرنے والے دن میں مقامی اور غیر مقامیوں میں فاصلہ بڑھتا ہی گیا۔ خصوصیت سے جبکہ کاروبار رفتہ رفتہ غیر بلوچوں کے ہاتھ آتا گیا، کاریگروں اور ذخیرہ گردوں میں غیر بلوچوں کی تعداد غالب رہی بلوچوں نے قحط کے باعث اپنی زمینیں لیے نو دولتوں پر بیچ ڈالیں۔ علاقہ میں کارخانے اور مزارعت بھی نہیں تھی کہ وہ روزگار کرسکتے مجبوراً ان کی بڑی تعداد نے نقل مکانی کی خلیج فارس کے شیوخ کے علاقوں کا رخ کیا جہاں مجبوری اور احتیاج کے زیر اثر پست ترین خدمات کی انجام دہی سے بھی گریز نہ کیا۔ جبکہ باقیماندہ نے رشتہ زندگی قائم رکھنے کے لیے اسمگلنگ کا کام شروع کردیا۔

بلوچ بے خاناں ہو کر شیخوں کے علاقوں میں دربدری اور آوارگی کی جو زندگی گذار رہے ہیں۔ وہ اس کے لئے حکام د عمال کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں جو اچھی تنخواہوں اور وظائف کے بعد بھی بلوچستان کے بارے میں اپنے فرض سے کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جبکہ بلوچوں کو شیخوں کے علاقے میں آمدورفت کی راہ ملی بلوچستان میں دولت کی ریل

پیل ہوئی۔ جو اُدھر کو گیا ایک دو سالوں کے بعد دس بیس ہزار کے قریب روپے لے کر لوٹا یہ رقم بلوچستان میں اس کی حالت کے برعکس بہت بڑی دولت خیال کی جانے لگی ہے۔ اسی طرح بلوچوں کی پاکستان اور افغانستان میں آمدورفت ان کی زندگی کے لئے موثر ترین امداد ہے۔ شاید یہ کہنا حقائق کے خلاف نہ ہوگا کہ بلوچوں کے شیخوں کے علاقوں کا رخ کرنا یا اسمگلنگ میں توجہ کرنا ان کی مجبوری تھی۔ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اب جبکہ اس ذریعے سے بلوچوں نے کچھ رقم جمع کرلی ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ غیر بلوچوں سے فاصلہ برقرار رکھنے اور عمال سے گھل مل جانے کے روادار نہیں ہیں۔

مذہبی عوامل

بلوچ سب کے سب سُنّی مذہب ہیں۔ ماسوائے ایک معمولی تعداد کے جو شیعہ ہیں اور بزمان میں سکونت پذیر ہیں۔ مملکت کے مختلف گوشوں اور علاقوں سے کاریگری کے حوالے سے جو لوگ وارد بلوچستان ہوئے غالباً شیعہ مذہب کے پیروکار تھے۔ یہ امر قابل توجہ ہے۔ کہ بلوچوں میں مذہب کے اثرات نہایت گہرے ہیں۔ جن لوگوں نے شیعیت یا اہل سنت مذاہب کی تبلیغ کی وہ ان کی روحانی اصلاح کی حقیقی روح سے آگاہ نہ تھے۔ بلکہ شیعہ اور سُنّی کے بارے میں اُن کی محسوسات جو وہ تقابلی طور پہ رکھتے تھے صحت مندانہ نہ تھے۔ ان کی اساس مُلّا

حضرات کی متعصبانہ سوچ پر تھی۔ ملا حضرات خواہ وہ شیعیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ یا اہل سنت والجماعت کی طرف بلاتے تھے ایک دوسرے کی عیب جوئی کرتے ہوئے اپنے عقائد کے خلاف عمل کرنے والوں کو شیطان قرار دیتے تھے۔

اہل تشیع اس تصور کے تابع بلوچستان کے سینیوں میں وارد ہوئے کہ وہ ان کی دیکھا دیکھی ان کے عقائد قبول کریں گے۔ شاید شمال اور مقامی لوگوں میں عدم رابطہ کے عوامل میں سے اختلاف مذہب سب سے موثر ترین تھا۔ سُنی شیعوں کو کافر سمجھتے تھے۔ باہم سلام علیک اور ہر طرح کی قربت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بہر ہمہ یہ مسلم ہے کہ بلوچستان میں مذہبی تعصب اصولی طور پر ایسا کبھی بھی نہیں رہا کہ ــــ مذہبی اقلیت کو تنگ کرے اور ناقابل برداشت ہو۔ بلوچوں کے نزدیک سُنی مذہب پر عمل پیرا ہونا عدم ارتباط کا باعث نہیں بنا یہ اہل تشیع ہی تھے۔ جنہوں نے سُنی جرگہ سے دُوری اختیار کی۔ بلوچستان میں بہائی، زردشتی اور یہودی بھی بستے ہیں کہ مدت مدید سے بنا کسی پریشانی کے زندگی گزار رہے ہیں۔ مناسب ہوگا۔ کہ یہاں بلوچستان میں دین و مذہب کے حوالے سے کچھ اشارے کئے جائیں۔ دستیاب شواہد کی رُو سے ظہور اسلام سے قبل بلوچ زردشتی مذہب کو مانتے تھے زردشتی مذہب کی بلوچستان میں اٹھان ایسی رہی کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی و کامیابی حاصل کی چنانچہ ظہور اسلام سے پہلے بلوچستان کے تمدن کو عروج حاصل رہا ہے۔ اسلام کی آمد کے

بعد زرتشتی مذہب بلوچستان کے اس عظیم الشان تمدن کے ساتھ ہی محو ہو کر رہ گیا۔

باہمی آمیزش کے لئے طرفین کی عدم دلچسپی

مندرجہ بالا حقائق پر غور کیجئے دو گروہ، مقامی اور غیر مقامی ایک دوسرے کے دیکھے بھالے بغیر سوء ظن کے شکار رہے دونوں گروہ پیشگی ایک دوسرے کے خلاف ذہنی خلجان میں مبتلا اپنے سابقہ تجربات پر ڈٹے رہے اور جب ایک دوسرے کے روبرو آئے۔ بلا تحقیق کئے یہ کوشش کرتے رہے کہ اپنے سابقہ ذہنی تحفظات پر قائم رہ کر مدِ مقابل کو اپنے نظریات کی تائید پر آمادہ کریں۔ یہی وہ موقع تھا۔ جب ان کی راہیں الگ الگ ہو کر رہیں اور ہر گذرنے والے دن میں یہ فاصلہ اس قدر بڑھا کہ جب کاریگروں نے بلوچستان سے مراجعت کی تو بلوچستان کا چہرہ ایران میں مسخ کر کے پیش کیا۔ جن لوگوں کو بلوچستان کے بارے میں معلومات نہ تھیں۔ وہ بلوچستان کو ایک لق و دق صحرا اور اس کے باسیوں کو وحشی سمجھنے لگے۔ جن لوگوں نے بلوچستان کے بارے میں سنی سنائی تاریخی کتب مرتب کی تھیں۔ وہ اپنے ان منفی نظریات میں اور پختہ ہو گئے۔ چنانچہ جتنی تاریخی یا سفرنامہ پر مبنی کتب مرتب ہوئیں اور ان میں بلوچستان کا تذکرہ کیا گیا بلوچستان کی سرزمین کو خشک، نا قابلِ برداشت اور بلوچوں کو غصیلا اور رہزن بتایا گیا ہے۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ جو جو عمال بلوچستان کے لئے مقرر ہوتے تھے۔ انکو بنظر انصاف پہلے سے ایسی تربیت دی جاتی کہ وہ بلوچستان میں وارد ہوکر مقامی آبادی میں گھل مل جاتے تاکہ ان کی شناخت میں آسانی رہتی۔ یہ ضروری تھا۔ کہ جن لوگوں کی مناصب پر تقرری ہوتی وہ بلوچستان پہونچ کر وہاں کے مقامی لوگوں کے مطالبات، مسائل، مشکلات و مصائب کا جائزہ لیتے اگر اس کے باوجود بھی مقامی آبادی کی غلط فہمی کا ازالہ نہ ہوسکتا تو ایسی تدابیر کرتے کہ لوگ ان کی جانب اور ان کے اداروں کی جانب راغب ہوتے۔ ظاہر ہے۔ کہ بلوچوں نے کسی ایک ادارہ کے مہتمم سے کسی مرحلے پر تحقیر و ملامت دیکھی ہے۔ وہ اس تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے۔ آنیوالے صاحب منصب سے ربط و ضبط بڑھاتے ہوئے جھجکتا ہے۔ حتی الامکان احتیاط کرتا ہے۔ مبادا پہلے کی طرح وہ مبتلائے مشکلات نہ ہو، میرے نزدیک یہ مقامی لوگوں کی ہرگز ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ کارندوں یا عمال حکومت سے خواہ مخواہ تقرب کے متلاشی ہوں۔ بلکہ یہ ادارے کی کامیاب پالیسی کا مظہر ہوگا۔ کہ وہ مقامی آبادی کے دل میں گھر کرلے۔ اس لئے کہ مقرر کردہ عمال کی ڈیوٹی ہے کہ وہ عوام کی خدمت کرے۔ اگر وہ عوام کے پاس جائے۔ ربط و تعلق پیدا کرے تو اپنی ڈیوٹی صحیح طور پر انجام دے سکے گا۔ اس کے برعکس وہ کس طرح لوگوں کی خدمت کرسکتا ہے؟ یہ امر واقعہ ہے کہ عمال حکومت اور بلوچ آبادی میں جس قدر

فاصلہ بڑھا ہے اُسی تناسب سے عوامی بہبود کے کاموں کو نقصان پہنچا ہے۔ کسی طبقے کے بارے میں جب تک دُرست معلومات نہ ہوں اس کی بہبودی کے عمل میں پیش رفت اور کامیابی نہیں ہو سکتی۔

حکومت نے بجٹ میں اگر بلوچستان کی ترقی کے لئے رقم مخصوص کی۔ تو اس سے صرف ایسے کام مکمل کیے جو کارندوں کے مفاد کے تھے۔ عام لوگوں کے لئے نہیں تھے۔ رقومات صرف سڑکوں اور کوچوں کی تعمیر نالوں نالیوں کی صفائی اور مرمت پر خرچ ہوتی رہیں۔ جو فی الواقع کارندوں یا عمّال کے اپنے فائدے اور سہولت کے کام تھے۔ یہ تعمیرات و اقدامات ایسے علاقوں میں کیے گئے جہاں ان کی اپنی رہائش اور سکونت تھی۔

حکومت نے بلوچستان میں جو اہم ترین خدمت کی ہے وہ مدارس کی تعمیر اور اساتذہ کی تقرری کا عمل ہے۔ یہ بھی ایسے کہ بائد و شاید نگاہ میں آسکے۔ اس لئے کہ بلوچوں کے بچوں کو جس طور پر سے پڑھایا لکھایا جاسکتا ہے۔ وہ طریقہ نہیں اختیار کیا گیا۔ اس لئے کہ پہلے مرحلے میں ان کو بقائے زیست کے لئے کام کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت کم تعداد اس مرحلے سے مستفیض ہو سکی ہے۔ پھر اساتذہ کی تعداد آبادی کے مقابلے میں محدود رہی

سابقہ ذہنی ناموافقت نے دونوں جانب ایسی جڑ پکڑ لی کہ کچھ فہم افراد اس کی تائید کرتے رہے اور مخاصمتوں کو پھیلاتے گئے۔ بلوچوں نے یہ سن رکھا تھا۔ کہ خانی یا غلامی کا نظام

ختم ہو چکا ہے۔ اور عمال حکومت بلوچستان کے لوگوں کی بہبود اور خدمت کے لئے آ رہے ہیں۔ مگر جب عملی صورتحال سامنے آئی تو انہوں نے اسے دعوؤں کے برعکس پایا، کارپردازان حکومت ان کی خدمت نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ ان کے اعتراضات کے جواب میں رعونت خشم و درشتی کا اظہار کرتے تھے چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان ارباب حل و عقد نے سابقہ غارتگروں کی جگہ لے رکھی ہے۔ عمال حکومت کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ معمولی اعتراضات پر توجہ نہیں دیتے۔ لوگوں کو اُن کے حقوق نہیں دیتے بلکہ اپنے حقوق کا تحفظ کرتے رہتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اپنے حقوق کے دفاع کا حق تک نہیں دیتے۔ یہ عمال حکومت جو بلوچستان میں کسی رہنمائی اور دستورالعمل کے بغیر وارد ہوتے انہیں بلکل بھی معلوم نہ تھا۔ کہ وہ اپنے فرائض کس طرح انجام دیں۔ کس طرح عوام کے مطالبات کی پذیرائی کریں۔ چونکہ وہ ان لوگوں کی تاریخی، جغرافیائی، اقتصادی اور مجموعی خصوصیات سے واقف نہ تھے یہ تک نہیں جانتے تھے کہ ان سے کس قسم کا سلوک روا رکھیں۔ جب انہیں عوامی اعتراضات کا سامنا ہوتا۔ حقیقت حال سے بیگانہ ہونے کے باعث غصے کا اظہار کر بیٹھتے۔ اس سلسلے میں دو قسم کے حکام کا زیادہ تر لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں

الف: رفاہ عامہ آبادی اور مساکن میں تعاون کے امور دیہی بہبود، اسناد پر دستخط کرنے یا شہریوں کے روزمرہ مسائل

سے عہدہ برآ ہونے والے عملہ کے بیزار کرنے والے سلوک سے مقامی لوگ اپنی تحقیر محسوس کرتے۔ اس مقصد کی تہہ تک پہونچنے کے لئے کہ باغیوں سرکشوں اور رہزنوں کو سیستان بلوچستان میں کس منصفانہ عمل کے ذریعے اصلاح کرکے اچھے شہری بنائیں حکام کو کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ تاثر عام ہے کہ بغاوت اور شر انگیزی کی اہم ترین وجوہات بلوچستان میں خود ان کی بدولت شدت اختیار کر چکی ہے۔

ایک نظیر اصلی داد شاہ کا معاملہ ہے۔ جسے ایک خطرناک شخص قرار دیا گیا حالانکہ یہ ان حکام کی بے اعتنائی اور بدسلوکی ہی کا شاخسانہ تھا۔

اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکام کے نزدیک بلوچ کارکنوں کے ساتھ صوبہ سیستان و بلوچستان میں انکے ہم پایہ کارکنوں سے درجہ، حقوق اور مقام فروتر ہے

(ب) ژاندرم یعنی لیویز بلوچستان کے لوگوں کے لئے جب ان سے سابقہ پڑے جہنم طبع حکام سے زیادہ خوفناک ثابت ہوئے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل جونہی لیویز کا چہرہ اور ٹوپی نظر آجاتی تو لوگ دوڑ کر اپنے گھروں میں چھپ جاتے۔ لیویز اس تمیز کے بغیر کہ کون مقامی کون غیر مقامی ہے۔ صرف مار پیٹ سے سروکار رکھتی اُن کی ایذارسانی کی پشت پر کوئی وجہ اور منطق نہ ہوتی جب بچے ضد کرتے مائیں انہیں دھمکاتیں "چپ ہوتے ہو یا فلاں کو بلائیں" فلاں سے مراد لیویز کا سپاہی ہوتا۔ بلوچوں اور لیویز کے درمیان

ہمیشہ سے ان بن اور جنگ و جدل رہی ہے۔ سب سے بڑی ضرورت لوگوں کو ڈاندرم یعنی لیویز سے نجات دلانا ہے۔

بلوچستان کی اقتصادی، تاریخی، جغرافیائی اور اجتماعی حالت کو دیکھتے ہوئے راہزنی بلوچستان میں اجتماعی صورت میں صورت پذیر ہوئی ہے۔ اگر کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہیں وہ خواہ مخواہ ہمسائے کی دیوار پھلانگتا پھرے گا۔ بلوچستان اور اس کے پڑوس کے علاقوں جیسے سندھ پاکستان گھوا۔ کرمان ہمایزد خراسان وغیرہ ہیں۔ بلوچ ان علاقوں میں رہزنی کے لئے بدنام ہے۔ ایران کے بادشاہوں کے طویل ترین دور میں جو کام سب سے پہلے کیا گیا وہ مشرقی ایران میں بلوچستانی راہزنوں کی سرکوبی اور راستوں کو محفوظ کرنا تھا۔ بلوچ کی یہ خصوصیت ہے۔ کہ جن اشکال اور معنوں میں چوری آج کے دور میں نظر آتی ہے وہ اس کا کبھی بھی مرتکب نہیں ہوا البتہ بلوچ کو جب بھی موقع ملیگا وہ رہزنی کرے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ رہزنی اور چوری کا مفہوم ایک نہیں ہے۔ تو غلط نہ ہوگا۔ بلوچ راہزن ہو تو ہو چور ہرگز نہیں ہے۔ صوبہ سیستان اور بلوچستان کے شہروں میں حکام نے اس کا پوری طرح تجربہ کیا ہوا ہے۔

دوسری صدی کے پہلے عشرے میں رہزنی ہم چشمی کے باعث ترقی کر گئی۔ تاہم یہ امر باعث توجہ ہے کہ اصولی طور پر یہ امکان نہ تھا۔ کہ بلوچ اپنے ہمسایہ شہروں پہ حملہ آور نہ ہوں اس لئے ایسی صورت میں وہ بھوک سے مرجاتے۔ حکومت کو

چاہیئے تھا۔ کرسیتان و بلوچستان کے اندر رہزنی کے امکانات کا انسداد کرتی یہ تو ممکن نہیں کہ بلوچ اپنے اعیال کے ساتھ بھوکوں مرے۔ مگر روزگار کا کوئی ذریعہ میسر نہ ہو۔ آج جب ہم اس کا تجزیہ کرتے ہیں کہ راہزنی اور اسمگلنگ کو فروغ کیسے ملا تو ثابت ہوتا ہے کہ قحط سالی کی وجہ سے ان لوگوں کے مویشی ہلاک ہوئے یا بک گئے۔ زندہ رہنے اور گزران کے لیئے کوئی اور وسیلہ موجود نہیں چونکہ زراعت اور مویشی بانی کے علاوہ کسی اور کام و ہنر کے نہیں رہے مجبوراً رہزنی اور اسمگلنگ کی طرف مائل ہوئے۔ اس طرح کی زندگی کہ جس سے رہزنی اور اسمگلنگ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو انہوں نے ارادۃً اختیار نہیں کی دراں حالیکہ لیویز کے کوڑے ان کے اوپر برس رہے ہوں وہ کب تک گھروں میں بیکار بیٹھتے۔ تاہم شروع میں رہزنی کا جیسا زور تھا وہ اب نہیں رہا۔ شیوخ خلیج کی جانب بلوچوں نے راہ پائی۔ اکثر جوان ادھر کو ہو لیئے۔ رہزنوں نے بھی چوری چکاری ترک کی۔ خلیج فارس کے شیخوں کے ہاں پست ترین کاموں میں بھی جت گئے۔ اس سے ثابت ہے کہ بلوچوں کو اگر شریفانہ زندگی گذارنے کے وسائل میسّر ہوں وہ خواہ کسی قدر دشوار ہی کیوں نہ ہو بلوچ اسے قبول کرتے ہیں۔ ثانیاً بلوچوں میں رہزنی کرنے والے بیشتر کوہستانی لوگ تھے جو لیویز کو ایسے دیکھتے جیسے انہوں نے اس کے باپ کا قتل کیا ہے۔

حکومت کو اگرچہ بلوچستان میں زیادہ اختیار و قدرت حاصل ہوا مگر اس نے وسائل کی ترقی پر خصوصی توجہ نہ دی زراعت کے فروغ کے لیۓ کچھ نہیں کیا۔ تاکہ بلوچوں کے لیۓ ذریعہ معاش کی فراوانی ہو اور وہ رہزنی اور اسمگلنگ کی غارت گری سے بچے رہیں۔

باب ششم

بلوچستان میں بے اطمینانی

چار افتاد، چار عوامل بلوچستان کی پسماندگی کا اصل سبب ہیں

بلوچستان کا درخشاں ترین زمانہ ساسانیوں کے عہد سے نوشیروان کی سلطنت تک ہے۔ فردوسی سے روایت ہے۔ کہ اردشیر بابکان بلوچوں سے ہار گیا تھا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ اس دور میں بلوچ بہت بڑی طاقت کے مالک ہوں گے۔

لیکن نوشیرواں عادل کے زمانے میں جہان کی فریاد بلوچوں کے خلاف آسمان گیر ہوئی شکایت یہ تھی کہ بلوچوں نے جہان کو ویرانے میں بدل ڈالا ہے۔ نوشیرواں بلوچستان پر لشکر کشی کرتا ہے۔ اور بلوچوں کا مکمل طور پہ صفایا کردیتا ہے۔ جیسے کہ

فردوسی سے روایت ہے کہ بلوچ اور بلوچی بولنے والوں سے کوئی بھی نہ بچا۔ اس "عاملانہ" طریقے سے نوشیرواں نے بلوچوں سے عدل گستری کی۔ خیال غالب ہے۔ کہ نوشیروان کے اس ظالمانہ اقدام نے اور بعد سے بادشاہوں کے رویے نے بلوچوں کو ساسانیوں سے متنفر کر دیا۔ جس طرح اہل ایران کی اکثریت نے عربوں کے حملے کے مقابلے میں چشم پوشی کی تھی۔ بلوچوں نے کبھی نہ صرف مقابلہ نہیں کیا بلکہ عرب صفوں میں جا شامل ہوئے۔ "سیاہ سوار" جو بلوچوں کے ایک قبیلے کے سردار تھے اور جس کے قبیلے کے لوگ اب تک بلوچستان میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ایک مختصر مدت کے لئے اکثر ایرانی سرداروں کے شانہ بشانہ عربوں سے معرکہ آرا ہوا۔ ساسانیوں کی صف سے نکل کر عہد وپیمان

اور اس سمجھوتے کے مطابق جسے مسلمانوں کے فرماں روا خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کی تائید حاصل تھی۔ مسلمانوں کی صف میں شامل ہوا۔ اور ساسانیوں سے نبرد آزما ہوا۔ چنانچہ سیاہ سوار اس اعتبار سے مسلمانوں کا بہت بڑا سردار کہلایا وہ نہ صرف اسلام کے عظیم سرداروں کے ہم پلہ رہا۔ بلکہ ان تمام امتیازات و اعزازات سے سرفراز ہوا۔ جو مسلم سرداروں کے لیے مخصوص تھے۔ اس امر کا احتمال ہے کہ اس وقت جزیرہ نمائے عرب میں مختلف حصوں میں جو بلوچ بس رہے ہیں۔ اگر اب وہ بلوچی زبان بول نہیں سکتے۔ مگر یہ انہی لوگوں کی باقیات ہیں۔ جو سیاہ سوار کے ساتھ مجاہدین اسلام سے مل کر ایران کے خلاف جنگ آزما رہے۔

بلوچستان جس نے ساسانیوں کے عہد میں پہلی ضرب کھائی تھی اس کی آخری رمق جو باقی تھی۔ بلوچستان پر اسلامی حملے کے باعث باقی نہ رہی۔ بلوچستان نے اس کے بعد ایک بھرپور دھچکہ اس صورت میں برداشت کیا۔ جسے ہم چار افتاد کے عنوان سے بیان کر رہے ہیں۔

یہ چار افتاد جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ کلوگیری کی کیفیت غیر معمولی دباؤ جو بلوچستان پر سایہ فگن رہا۔ معروضی طور پر لوگوں سے تخلیق کی صلاحیتیں، استعداد و ادراک کی قابلیتیں لگاتار چھن کر رہ گئیں۔ وہ ادھ موئے بنا دیئے گئے خود ان کا کہنا ہے۔ کہ وہ اس طرح جی رہے تھے کہ "رات کو صبح کریں" ان طویل ادوار میں کہ کئی ایک سلسلے اس مملکت میں برسر اقتدار آئے اور زوال پذیر ہوئے بلوچستان کی حالت حقیر و خسیس رہی۔ بلوچستان نے ایران کی بادشاہوں کی عظمت و جلال سے صرف ان کا ظلم دیکھا مگر اُن کی تعمیر سے بلکل ہی محروم رہا۔

چار عوامل جو عالم بے بسی، دباؤ اور لوگوں کی استعداد کشی کے مظہر ہیں۔ خشکسالی اور قحط، ٹڈی دل، مالیہ گیروں کی سخت گیری خوانین اور سرداروں کا وجود تھے۔

۱۔ **خشکسالی :** بلوچستان جغرافیائی اعتبار سے ایسے خطے میں واقع ہے۔ کہ انسانوں کی سو فیصد تقدیر طبیعی حالات کی موزونیت پر ہے۔ اگر طبیعی حالات موافق ہوں۔ باران رحمت برسے زرعی زمینیں سیراب ہوں۔ مالداری کے لیئے حالات سازگار

ہوں تو زندگی کا لطف ملے اگر طبیعی حالات ناموافق ہوں ۔ چشمے اور کاریزات سوکھ جائیں ۔ فصلیں جھلس کر رہ جائیں ۔ مال مویشی چارہ اور پانی نہ ملنے کے باعث ہلاک ہو جائیں تو ذریعہ زیست نہ رہے ۔ بلوچستان میں قحط اور خشکسالی کا ایسا دور دورہ رہا ہے کہ انسانوں نے درختوں کے پتے اور ٹہنیاں یا کھجور کے پیڑوں کے تنے کھا کر رشتہ حیات برقرار رکھا ہے ۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ایسی اشیا پر گذر بسر کرنا تعجب انگیز نہیں ۔ تبعیت بلوچ حالات کے جبر کے تحت بارہا ایسی چیزیں کھانے کی عادی رہی ہے ۔

قحط کے برسوں میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ مویشی اور زراعت کی آمدنی ایک چوتھائی پر آکر ٹھہری ہے ۔ یا پھر صفر بھی رہی ہے ۔۔ اس افتاد کی وجہ سے پہلے سے موجود مویشیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑ گیا ہے ۔ اسے غنیمت سمجھا جاتا رہا ہے ۔ کہ مویشیوں کی تعداد اپنی پہلی حد کو پہنچے ۔ اوسطاً مالدار کی سالانہ آمدنی دو سو سے تین سو تومان سالانہ رہی ہے ۔ ان مال مویشیوں کی خوراک جو کی روٹیاں ، جوار اور کھجور موسم سرما میں درختوں کے پتے اور ٹہنیاں موسم بہار اور موسم گرما میں ہوا کرتی ہیں ۔ جبکہ خود زراعت پیشہ افراد کی خوراک اپنے جانوروں کے چارے سے قدرے بہتر رہی ہے ۔ ان کی خوراک میں روزانہ دوپہر کو جو یا جوار کی ایک روٹی ، مرچ اور نمک ملے پانی (دواد آپ) کے ساتھ جو دن گذارنے کا وسیلہ بنتی رہی ہے ۔ رات کو چند دانے کھجوروں

کے جبکہ موسم بہار و گرما میں تھوڑی سی مقدار میں تازہ دودھ پر گذران کرتے رہے ہیں۔ آباد سالوں میں بھی دن رات میں اس غذا کی مقدار دوگنی سے زیادہ نہیں رہی۔

قحط کے دنوں میں روٹی صرف اس شخص کے لئے مخصوص ہوتی جو بیمار ہو کر کمزور ہو جاتا اور خیال رکھا جاتا کہ ایسی خوراک مریض کے لئے قوت بخش ہے۔ جب بلوچ کی خوراک کا یہ عالم ہو تو اسے نہ فکر معاش ستاتی ہے۔ نہ ہی بہتر زندگی کی تمنا اور وسائل کی فراہمی ان حالات کے مطابق تمام خراسان، کرمان، یزد اور ورامین اکناف واطراف پر ان سے حملے اور انسانی جان و مال کی غارتگری رہتی آئی ہے۔

۲۔ **ٹڈی دل**: اگر خشکسالی سے نجات ملتی اور کوئی موقع زراعت کے فروغ کا آتا تو ٹڈی دل کی لاعلاج مصیبت نازل ہو جاتی۔ ٹڈی دل صف در صف۔ انبوہ بہادر عساکر کی طرح حملہ آور ہو کر سامنے آنے والی ہر چیز کا مکمل صفایا کرتیں جب یہ بلائے ناگہانی فصلوں، باغوں، درختوں اور ہر طرح کے سبزے کو چر جاتیں تو صرف درختوں کے تنے رہ جاتے جب لوگ یہ دیکھتے کہ آئیوالے چھ ماہ تک وہ زراعت وحاصلات کے قابل نہیں رہے ہیں۔ وہ اپنی فصلوں کا انتقام ٹڈی دل سے اس طرح لیتے کہ ان پر پل پڑتے اور ان کو گھیر گھار کر جمع کر لیتے تاکہ آئندہ دنوں میں ان کو کھا کر گذار سکیں۔ ٹڈی دل معمول تھا کہ ہر تین چار سال میں ایک بار حملہ آور ہوتی اور فصلوں کی بیداوار

جا پہنچتی۔

۳۔ مالیہ جمع کرنے والوں اور تاراج وصول کرنے کی یلغار ٹڈی دل کے حملوں کے بعد ہوا کرتی جو کچھ ٹڈیوں سے بچ رہتا۔ اُسے وہ سمیٹ کرلے جاتے۔ اس طرح عوام ان کے ہاتھوں تاراج ہو کر رہ جاتے۔ لوگوں کی ایسی حالت ہوتی کہ شدید ترین اقتصادی بحران میں مبتلا ہوتے اور بھوک بیماری اور ناداری سے مردہ ہوتے۔ بجائے کہ وہ رژیم کی امداد و عنایات اور دستگیری کے قابل ہو سکتے۔ وہ مالیہ گیروں کے حملوں کی تاب نہ لاکر راہ فرار اختیار کرتے اور مالیہ گیران کے ہاتھ آئے ہوئے وسائل سمیٹ جاتے۔ جن لوگوں سے بزور جبر میں مالیہ لیا جاتا تھا۔ اُس عمل کو بجا طور پہ وحشت و ظلم کے مترادف کہنا بلکہ حیوانیت اور بہیمیت سے تعبیر کرنا چاہیے۔ ان مالیہ گیروں نے تمام انسانی اقدار کو پامال کیا ہوتا۔ ان میں ہمدردی، انصاف، انسانیت کی ذرا بھی خوشبو نظر نہ آتی۔ مالیہ وصول کیا جاتا ہے۔ جن کے پاس کچھ ہو۔ مالیہ کون وصول کرے؟ یہ انسانی تمدن نے طے کر دیا ہے۔ ایک شخص بھوک کے مارے جاں بلب ہے۔ مگر اس کی موت کی پرواکئے بغیر مالیہ گیر اپنے مطالبے پر مُصر ہے۔ پھر کسی مالیہ گیر کو اخلاقی اعتبار سے مالیہ کی وصولی کا حق کب پہنچتا ہے۔ جبکہ وہ جن سے مالیے کا طالب ہے۔ ان کی بہبودی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ تھا مالیہ دینے والوں کا حال۔ مرکزی رژیم نے اپنے عمال سے ایک خاص شرح وصول کرنی تھی۔ اور اُسے یہ اختیار دیا گیا تھا۔ کہ اس شرح کو پورا کرنے کے لئے وہ مالیہ وصول کرنے میں لوگوں سے جیسا بھی چاہے سلوک کرے۔

سرداروں نے مالیہ کے نام پر لوگوں کے بیوی بچوں کو خود اس شخص کو اپنے قبضہ و ملکیت میں لے رکھا تھا۔

مالیہ کی وصولی کے نام پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص بہت زیادہ تشدد کے بعد بھی مالیہ کی ادائیگی کے قابل نہ ہوتا۔ تو اس کی بیٹی یا بیوی بچوں کو یرغمال بنایا جاتا۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوتا تو خود اسے مالیہ کے عوض دھر لیا جاتا۔ ایسے شواہد کی کمی نہیں کہ اچھے اچھے لوگوں کو مالیہ کے عوض پکڑا گیا۔ جو شخص نادار ہوتا۔ اور مالیہ کے مقابلے میں منفعت بخش نہ ہوتا۔ اس کا گھر قرق کر لیا جاتا۔ مالیہ گیروں میں زیادہ تر سردار ہیں۔ جو بلوچستان بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جمہوریت کے نظام میں بھی جب انتخابی سرگرمیوں کے سلسلے میں ایک مالیہ جمع کنندہ ایک سردار کے ہمراہ دیہی علاقوں میں گیا تو اس نے یہ دردانگیز منظر دیکھا۔ کہ لوگ کپڑوں کی بجائے کھجور کے پتوں کی چٹائی اوڑھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود ان سے مالیے کا شرمناک مطالبہ کیا گیا۔

۴۔ سردار اور خواتین:

اگر خشک سالی کی مصیبت ٹڈی دل کی غارتگری اور مالیہ گیروں کے جبر سے لوگ بچ بھی جائیں۔ وہ مقامی سرداروں اور خوانین کی غارتگری سے مامون و محفوظ نہیں کہلا سکتے۔ بلوچستان میں چھوٹے سے چھوٹا خان قرون وسطیٰ کی جابر قوتوں کا مظہر ہے۔ بلوچستان میں خانی کے اس نظام نے غلامی کے لئے راہیں ہموار کی ہیں۔ جو شخص طبقہ خوانین کی سے ہو اسے سرداروں کے استحصال کی پوری طرح اجازت ہے۔

اور اس کا اسے ہر طرح حق و اختیار بھی ہے۔

۱۳۰۰ء کے بعد جب مرکزی حکومت کی قوت زوال پذیر ہوئی، سرداروں اور طائفوں کے رؤسا نے اپنی حکومتی قوتیں پیدا کیں وہ اپنے گھروں میں بیکار بیٹھے جابر قوتوں سے ربط و قربت برقرار رکھتے اور حکومت نے اپنی لوگوں کی وساطت سے عوام سے غلام قسم کے برتاؤ کئے ہیں۔ مقامی طور پر حکومت ان ہی کی مدد سے بلوچستان کے لوگوں کو قابو کرتی رہی ہے۔

ان کے استبداد کی ظاہری اشکال اور حکومت کے ساتھ ان کی ربط و قربت نے لوگوں کے ذہنوں کو تبدیل نہیں کیا۔ ان کے خوف نے البتہ طرزِ سردار کی طاقت کو دل سے نہیں نکالا۔ جو بلوچی ثقافت کی بنیاد ہے اگر یہ نہ رہے تو ان کی ثقافت دِگرگوں ہو جائے۔

باب ہفتم

ثقافت و قومی ورثہ

زبان و ادب:

اہل ایران کے ذریعے سیستان و بلوچستان کی زبان و ادب پر کچھ زیادہ تحقیقات نہیں ہوئی ہیں۔ جو کچھ اس موضوع پر سامنے آسکا ہے وہ مستشرقین اور سیاحوں کی کاوشوں کی رہین منت ہے۔ لندن کے ایک کتب خانے میں بلوچی زبان کی ایک کتاب محفوظ ہے۔ جس کا موضوع عشقیہ داستان لیلیٰ مجنوں، بہرام شاہ و گل اندام ہے۔

صنیع الدولہ لکھتا ہے "بلوچی ایک قدیم زبان ہے۔ اس کے کچھ الفاظ سنسکرت ہیں جو قصداً شامل کیے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے تلفظ میں بہت تبدیلی آئی ہے اس طرح ان کا سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے ؎"

؎ صنیع الدولہ۔ مرات البلدان صفحہ ۲۶۸

بلوچی زبان میں مختلف لہجے ہیں۔ جو قدیم فارسی کی اشکال و تراکیب کے حامل ہیں۔ مورخین کا ایک طبقہ جیسے کرقفی نژاد ہیں۔ بلوچی زبان کو دو شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ شمالی بلوچی (سرحدی)

۲۔ جنوبی بلوچی (مکرانی) ؎۱

شمالی بلوچی کا لہجہ زاہدان کے نواح، خاش اور سیستان میں جبکہ جنوبی بلوچی لہجہ ایرانشہر سراوان و چاہ بہار میں متداول ہے تلفظ کے اعتبار سے اکثر معانی ایک دوسرے سے نہیں ملتے بہرحال ہر دونوں لہجے طرفین میں قابل فہم ہیں۔

یہ بات یہاں قابل ذکر ہے۔ کہ براہوئی اور جدگال کے طائفے جو سیستان، خاش اور دشتیاری میں بستے ہیں۔ اُن کا ایک مستقل لہجہ (یا زبان) ہے جو اصل بلوچی سے بلکل مختلف ہے کہ بیشتر آبادی کے لئے ناقابل فہم ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ ایک طائفہ کردوں کا ہے۔ جو نسلاً کردستان کے کرد ہیں اور شاہ عباس کبیر کے دور میں سیستان اور بلوچستان میں وارد ہوئے اُن کا ایک مخصوص لہجہ ہے۔ جو سادہ فارسی اور بلوچی ہے وہ اس میں گفتگو کرتے ہیں۔ بلاشبہ بلوچی زبان ایک لہجہ یا بولی شمار نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ ایرانی زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ جسے ایک گروہ شک کی بنیاد پر لہجہ قرار دیتا ہے۔ بلوچی زبان کی زادبوم اور اصل

؎۱ ناصح، بلوچستان صفحہ ۸۹

علاقہ مغربی ایران ہے جو بعدازاں مشرق اور بلوچستان میں پھیلی ہے۔ بلوچی زبان کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس زبان کی ایران کی قدیم ترین زبانوں سے قرابت داری رہی ہے۔ حتیٰ کہ آج فارسی سے بھی قریب ہے، چنانچہ قدیم زمانے میں بلوچی زبان زیادہ تر ماژندرانی اور گیلگی کے ایرانی لہجوں سے قریب ہے۔ اور اس کے بعد کردی اور فارسی سے مشابہ ہے۔

بلوچ لکھنے والے تحریری طور پر مکمل اور طاقتور زبان فارسی کی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ بلوچی زبان مغربی ایران کی ان زبانوں اور لہجوں کی مانند ایک سادہ زبان ہے۔ جس میں پیچیدگی اور دشواری کم ہی دیکھی جا سکتی ہے۔ فارسی اور بلوچی زبانوں میں مشابہت بہت زیادہ ہے۔ جو قوم اور اس کے رشتہ و پیوند کی نشاندہی کرتی ہیں دوسری بڑی زبانوں کی طرح بلوچی زبان میں بھی بہت سے کئی ایک لہجے ہیں۔ بلوچستان جس قدر وسیع و عریض ہے۔ بلوچی کے لہجے بھی اسی اعتبار سے بہت سارے ہیں۔ مگر یہ بنیادی نکتہ ہے۔ کہ ان بلوچی لہجوں میں ظاہری اختلاف کے باوجود بھی یہ کسی مرحلے پر گفتگو میں ناقابل فہم نہیں ہیں۔

چونکہ بلوچی صرف روزمرہ گفتگو کی زبان ہے۔ اس لئے مراسلت اور تحریری ادب بلوچستان میں جاذب توجہ و قومی زبان فارسی کے حوالے رہا ہے۔

لیکن بلوچی کا لوک ادب یا لوک ورثہ اس اعتبار سے کہ قومی خصوصیات کا اظہار اور باہمی آمیزش و آویزش

پر مبنی ہے قومی امنگوں سے مالا مال ہے۔ ترک شاعری پر
بلوچی گیتوں کی دیرینہ سالی اور غنائیت سے بھرپور ہونا،
شعری روانی و سادگی اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ جو قومی مزاج سے
ہم آہنگ اور قومی خیالات سے مطابقت رکھتی ہیں۔ یہ شعری
ادب، حماسہ، منظوم عشقیہ داستانوں، لوریوں، مختلف قبائل کی
تاریخی جنگوں، جری اور جنگجو سرداروں کی مدحت کی شکل میں ہیں۔
بلوچوں کے ادب کا اُن کی سادہ دیہی زندگی سے گہرا تعلق ہے اور
یہ روایتوں کی شکل میں پروان چڑھا ہے۔ سینہ بہ سینہ اور
ایک زبان سے دوسری زبان پر چڑھ کر جاویداں ہوا ہے۔
بلوچوں نے ہر اجتماعی حادثے، جنگ، مرگ یا عشق و محبت کے
واقعہ کو نظم کیا ہے۔ ان تخلیقات کے جو خالق زندہ رہ جاتے ہیں وہ
زندگی کی ان خوشیوں اور غموں قومی نکتہ نظر سے حظ کرتے
ہوئے سینہ بہ سینہ منتقل کرتے ہیں۔ ان اشعار کو محفوظ کرنے
اور گانے والوں میں اکثریت شاعروں کی ہے۔ جو بلوچوں کے
درمیان پہلوان کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان پہلوانوں کا یہ
ایک کام ہے۔ کہ اشعار کو یاد رکھیں۔ انہیں گاتے بجاتے ہیں
تاکہ یہ اثاثہ سالہا سال تک محفوظ رہ سکے۔

بلوچی گیت اور اشعار زیادہ تر سازوں کی سنگت میں گائے
جاتے ہیں۔ ان کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ جو گیت یا شعر محفلوں میں گائے
جائیں۔ ان میں جنگی داستانیں تاریخی یا لوریوں کے گیت شامل ہوتے
ہیں۔ ایک دو قسمیں گیتوں کی ایسی ہوتی ہیں۔ جو شادی بیاہ

کے موقعوں پر گائی جاتی ہیں۔ اور شرکاء مل کر رقص کرتے ہیں جبکہ لیکو یا زہیروک ایسے نغمات ہیں۔ جن میں فراقیہ مضامین ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ غم کے موقعوں پر گائے جاتے ہیں۔ شعراء نے مرثیہ اشعار کو صورت کا نام دیا ہے۔ جبکہ سوگ اور نوحہ کے اشعار کو موتک کا نام دیا گیا ہے۔

بلوچی عشقیہ داستانوں کے زمرے میں " حانی وشئے مرید" "بجار و رامین" "عوثر و ماہو" "شہداد مہناز" بی برگ وگرانار قابل ذکر ہیں۔ بلوچی فوکلور کا مزاج بلوچوں کی عملی زندگی کی طرح سادہ ہے۔ بلوچ چونکہ خود سادہ زندگی گذارتے ہیں۔ ان کے خیالات میں بھی اس کا عکس ملتا ہے۔ معشوق کی تعریف مجموعی قومی زندگی میں بہادری اور دلیری کی مدحت ان اشعار کے مضامیں کی خصوصیت ہے۔

بلوچستان میں گذرے زمانوں سے فارسی زبان رسمی اور ادبی طور پر ذریعہ اظہار رہی ہے ہر چند کہ بلوچوں نے بلوچی میں شعر کہے۔ اور بلوچی میں گفتگو کرتے ہیں۔ مگر لکھتے فارسی میں ہیں۔ قاچار کے عہد میں اور اس کے بعد بلوچستان میں فارسی نے رواج پایا۔ مگر ہمارے دور میں خواہ شہری ہوں یا دیہات کے ہوں بلوچ فارسی اچھی طرح سمجھتے ہیں اور روزمرہ زندگی میں اس سے کام لیتے ہیں۔

مدارس میں تعلیمی مقاصد کے لئے سپاہ دانش، حکومت کے دوسرے ادارے جن کے ذمے وسائل پیداوار کا فروغ اور مجموعی طور پہ لوگوں سے ربط تعلق ہے۔ اکثر و بیشتر فارسی

مدد لیتے ہیں۔ اصولی طور پر زمانہ قدیم سے بلوچستان کے مکتبہ اور مدرسوں میں فارسی پڑھائی سکھائی جاتی رہی ہے۔ گلستان و بوستان دیوان حافظ وغیرہ زیر درس رہتے ہیں۔ چنانچہ فارسی کی ادبی کتب اور داستانوں نے بلوچوں کے درمیان راہ پائی۔ ان میں سے چند ایک کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ لیلیٰ و مجنوں، شیریں و فرہاد بہرام و گل اندام، گلستان و بوستان سعدی، چہار درویش حاتم نامہ اور حمزہ نامہ وغیرہ، وغیرہ۔ قرآن پاک کی ایک تفسیر فارسی زبان میں ملی ہے۔ جس کی تاریخ تالیف چار سو سال قبل کی ہے۔

سیستان کی سرزمین یا نیمروز جو آج سیستان و بلوچستان کے صوبے کا حصہ سمجھی جاتی ہے۔ اپنی پشت پر قابل فخر ماضی کی حامل ہے۔ جو آریاؤں کے قدیم ترین تمدن کا مرکز رہی ہے۔ ان ہی انسانوں اور تاریخ ایران کے واقعات اور زرتشت کے دین کے سلسلے میں تذکرہ ملتا ہے۔ سیستان کے گوشے گوشے میں بہت بڑی تعداد میں بکھرے ہوئے آثار قدیمہ اس کی شہادت دیتے ہیں کہ قدیم اور عظیم تمدن نے اس کی خاک سے جنم لیا ہے۔ حکیم طوس (فردوسی) نے شاہنامہ میں دوسرے تمام علاقوں کے مقابلے میں سیستان کا زیادہ تذکرہ کیا ہے۔ اسلام کے بعد کی تاریخیں ایران کے حالات میں اس خطے کی متعلق تحریکوں اور تقاضوں کی آئینہ دار ہیں۔ جبکہ ادبیات ایران کی تاریخ بھی سیستان کے حوالوں سے بھری پڑی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس علاقے کی ثقافت اور اس کے کثرت سے دیہی گیتوں کے خزائن قدیم ترین ادبی سر

چشمہ ہیں - جو بار بار دہرائے گئے ہیں -

فارسی کے اولین شعراء جن کے نام ادبیات کی تاریخ میں رقم ہو لئے ہیں - سیستان ہی کی سرزمین میں اٹھے تھے - فرخی[1] سیستانی جو دری زبان کے بہت بڑے شعراء میں سے تھے - وہ سیستان ہی کے ایک دیہات سے تعلق رکھتے تھے - یہ بات بھی ضرب المثل ہے کہ سیستان کے ولولہ انگیز گیت اور ترانوں کے خالق ہیں اس کے دیہی آبادی کے لوگ پاک دل نجیب الطرفین اور نہایت مخلص ہیں - صحراؤں میں گیہوں کے کھیت ہوں کہ باغات یا زابل شہر اُن کے گیتوں نے ہر جگہ دھوم مچا رکھی ہے - یہ گیت اب تک تحریری شکل میں نہیں آئے - بلکہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے آ رہے ہیں - سیستان کے ان گیتوں کو مقامی طور پر سیتک (SYITK) کہتے ہیں جو کلی طور پر دو حصوں میں منقسم ہیں - پہلا حصہ اُن الفاظ و معانی پر مشتمل ہے جو بہت ہی قدیم سمجھے جاتے ہیں - جبکہ دوسرا حصہ بہت ہی متاخر ہے کہ ان میں آج کی اصلاحات سے کام لیا گیا ہے یہ حصہ فی الحقیقت حصہ اول کے اوصاف سے عاری ہے - مگر چونکہ انقلابات انسانوں کی اجتماعی زندگی کی نشاندہی کرتے ہیں - اس لئے اس کی بھی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا -

سیستان کے گیتوں کی خصوصیت یہ ہے - کہ بلوچی گیتوں کی ہر طرح کی آرائش، تصنع اور ادبی تکلفات سے دور ہیں - ان کے موزوں کرنے والوں نے ان میں اپنی محسوسات سادہ طور پر بیان کی ہیں - سیستان کے لوگوں کی اکثریت کی زبان فارسی کا ایک شعبہ اور

---

[1] شعرالعجم دفتر دوم میں علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ شاہنامہ کی ابتدا فرخی سیستانی نے ہی کی تھی اس عظیم ادبی کارنامے کی تکمیل کے لیے محمود نے انہیں مہلت نہ دی دقیقی کی تیار کردہ خطوط پر بعد میں فردوسی نے شاہنامہ کی تکمیل کی (مترجم)

ان کا وصف اغلب یہ ہے کہ فارسی دری کے لہجے سے قریب ہے۔ میں بہتر طور پہ گفتگو کر سکتے ہیں۔ جب کہ ایک مختصر تعداد بلوچی میں بولتی ہے۔

دین و مذہب

بلوچستان کے باشندے مذہب حنفی کے پیروکار ہیں۔ عربوں کے بکثرت ہجرت اور بلوچستان میں ان کا سکونت اختیار کرنا مذہب اسلام کی اشاعت میں ایک اہم ترین حصہ رہا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سنّی مذہب کی گہری بنیادوں میں عربوں کا علاقے میں بڑا کردار ہے۔ البتہ زاہدان میں اہل خراسان، بیرجندیوں، مشہدیوں، اسی طرح کرمانیوں یزدیوں اور زابلیوں کی ہجرت و نقل مکانی کے نتیجے میں شیعہ مذہب کو رواج ملا۔ بزمان اور دلگان کے باشندے بھی شیعہ رہے ہیں اس کے علاوہ بلوچستان کی تشکیل اہلِ سنت سے ہوئی ہے۔ مورخین اس صورتحال پر کس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ اور واقعات کی کیا تطبیق کرتے ہیں۔ ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

صنیع الدولہ نے لکھا ہے: ”بلوچستان میں ان کا مذہب سنّی ہے اور اعتقاداً بعضے یہود کے معتقد تھا“ ایسی صورت میں جبکہ بلوچوں کا اعتقاد ہے۔ کہ یہودی روئے زمین کی موجودات میں بدترین اور قابل نفرت ہیں۔ صنیع الدولہ کے اس اشتباہ کا پوٹنگر نے بھی اعادہ کیا ہے۔ وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے ” بلوچوں کی بعض

نقل کفر نباشد

عادات یہودیوں سے ملتی جلتی ہیں"

جارج کرزن لکھتے ہیں "بلوچ بظاہر مسلمان اور سُنّی ہیں۔ مگر اس مناسبت سے اہل تشیع کی خوبیوں کے حامل نہیں ہیں" بلکہ مذہب پر پوری طرح پابند بھی نہیں ہیں۔ صرف اپنے لئے ایک عنوان قائم کیا ہے۔ اور عربی اصطلاحات سے کام لیتے ہیں۔ درآں حالیکہ ان کی نہ کوئی مقدس کتاب ہے۔ نہ عبادات کے رسوم و مساجد ہیں۔" جناب کرزن کا نظریہ حقیقت و واقعیت سے دور ہے۔ اس لئے کہ بلوچوں نے کسی دور میں بھی شیعوں سے معرکہ آرائی نہیں کی ہے۔ بلکہ بالکل کبھی مذہبی اختلاف اُن کے درمیان نہیں رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ چند ایک کا یہ عقیدہ ہے کہ بلوچ ابتداً شیعہ مذہب کے پیروکار رہے ہیں۔ اس کی تائید میں وہ اس اعتقاد و احترام کو پیش کرتے ہیں۔ جو زیادہ تر بلوچ مولائے اہل تقویٰ علیؓ ابن ابی طالب کا کرتے ہیں ثانیاً بلوچ اہل سنت والجماعت عقیدے کے پابند ہیں۔ اس الزام کے جواب میں بلوچ پوری طرح مذہب کے پابند نہیں ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلوچ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی نماز قضا نہ ہو اور وہ پنجگانہ کے باقاعدہ قائل ہیں۔ نماز فجر میں اُن میں سے بیشتر سُنت پڑھتے ہیں۔ علاوہ بر ایں ۱۷ رکعتیں فرض کی، ۲ دو رکعت فجر، ۴ رکعت ظہر، ۴ رکعت عصر ۳ رکعت مغرب اور عشاء کی نماز میں ۴ رکعت پڑھتے مختلف نمازوں میں نفل اور وتر کی نمازیں بھی ادا کرتے ہیں البتہ نماز کچھ عجلت میں پڑھتے ہیں۔ بلوچ خواتین رکوع زیادہ نہیں

جھگتیں اور سجدہ کرتے وقت چار زانو ہو کر سر خم کر دیتی ہیں بلوچستان میں اقامت الصلوٰۃ اہم ترین معاملہ ہے۔ بلوچ خواہ کسی علاقے میں ہوں۔ اگرچہ ان کا گھر اور مستقل سکونت بھی نہ ہو وہ ایک چار دیواری بنا لیتے ہیں اور نماز قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

زاہدان میں ان کی جامع مسجد ہے جس میں جمعہ کے دن نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور اس نماز کو بھی دینی اعتبار سے اہم سمجھتے ہیں۔ بلوچوں میں مذہبی علماءِ دین مولوی کے نام سے موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ عدالتی امور میں مولوی کے وجود کو شرطیہ نہیں خیال کرتے۔ نماز جماعت میں ان کا طرز عمل یہ ہے۔ جہاں تین سے پانچ نفوس جمع ہو جائیں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح روزے کا معاملہ بھی ان کے نزدیک غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ باوجودیکہ بلوچ خوراک کی کمی سے سب دکھ اٹھاتا ہے۔ مگر روزہ ضرور رکھتا ہے۔ یہی حالت حج اور زکوٰۃ کی ہے۔

بلوچ مذہب پر اس طرح پختہ ایمان رکھتا ہے کہ اگر نماز میں مصروف و متوجہ ہے۔ اسے پکارا جائے خواہ کتنا ہی قوی نوعیت کا معاملہ ہو۔ خواہ اس کی زندگی کو خطرہ ہی کیوں نہ لاحق ہو۔ وہ نماز سے دست کش نہیں ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ بلوچستان میں کوئی بلوچ چوری یا گھناؤنے جرم میں نہیں پکڑا گیا اس لئے کہ مذہب میں اس کا پختہ ایمان ہے۔

بلوچ دو عیدیں[1] مناتے ہیں۔ عیدالفطر اور عیدالضحیٰ ایک کا تعلق ماہ رمضان المبارک کے روزہ اور دوسری کا حج سے ہے۔ دونوں عیدیں ان کے نزدیک مقدس و محترم ہیں۔ بلوچستان میں تعداد ازدواج رائج ہے۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے۔ کہ بلوچ معیشت مالداری پر منحصر ہے۔ مال مویشیوں کی تعداد جتنی بڑھتی جائے گی۔ اسی اعتبار سے بلوچ نکاح بھی کرے گا۔ مگر مذہبی مباح و ممانعت کے خلاف عمل نہیں کرتا۔ بلوچوں کے نزدیک طلاق کو برا سمجھا جاتا ہے۔ تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دیا کرتے ہیں۔ سیستان کے باشندوں کی اکثریت شیعہ مذہب ہے۔ وہاں سنی اقلیت میں ہیں۔ تصوف کی کوئی شکل سیستان میں نہیں پائی جاتی۔ اس علاقے کے لوگوں کی مذہبی حالت ایران کے دوسرے علاقوں جیسی ہے۔ انکے مذہبی تعصب کے بارے میں یوں کہنا چاہیئے کہ تعصب کی جیسی صورت ماضی میں تھی۔ عملاً اب گھٹ گئی ہے اس کا ثبوت وہ باہمی شادیاں ہیں جو شیعہ اور سنیوں میں ہونے لگی ہیں۔ کہ اس کا رواج پہلے نہیں تھا۔ سنیوں کے عقد بھی شیعہ ملاؤں کے ذریعے انجام پانے لگا ہے۔ البتہ مذہبی رسومات ایران کے اکثر دوسرے علاقوں جیسے ہیں۔ عیدین پر استطاعت سے حد تناہی کے باوجود دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور عیدشایان

---

[1] عیدین کی ترتیب مؤلف نے درست بیان نہیں کی عیدالضحیٰ کو مقدم اور عیدالفطر کو موخر رکھا۔ اس کی ترتیب ترجمہ میں درست کی گئی ہے (مترجم)

مناتے ہیں۔

صوبۂ بلوچستان/سیستان کے آثارِ قدیمہ

اس علاقے میں ایران کے اکثر علاقوں کی طرح قدیمی تاریخی آثار موجود ہیں۔ جو اس سرزمین کی عظمت پارینہ اور اقتدار قدیمہ کی شاہد ہیں۔

سیستان کے آثار قدیمہ

یوں تو سیستان میں آثار قدیمہ کی کمی نہیں ہے۔ مگر زابل میں جو موجودہ وقت میں سیستان کا مرکز ہے۔ اور ماضی میں نصیرآباد کہلاتا رہا ہے۔ ذیل کی شرح سے ملے ہیں۔ زابل ۱۳۱۵ھ میں اس کا نام قرار پایا۔ شہر زرنج یا زرنگ کے کھنڈرات۔ یہ شہر گیارہ سو سال پہلے سیستان کا دارالحکومت رہا ہے۔ جو زمانے کے تغیر و تبدل اور دریائے ہلمند کی گذرگاہ بدلنے سے تباہ و برباد ہوا اب تک اس کی کھدائی کا بھی آغاز نہیں ہوا۔ دیگر کھنڈرات دوست محمد کی گذرگاہ میں واقع ہیں۔

قلعہ رستم: یہ زابل سے ۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے اب تک باقی رہنے والے آثار سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پانچسو سالوں سے متروک چلا آ رہا ہے۔ یہ بھی بہت سے تغیرات کے ہاتھوں اور دریائے ہلمند کی گذرگاہ تبدیل

ہونے سے کھنڈر بن کر رہ گیا ہے۔

سوختگان: (شہر سوختہ) یہ شہر قلعہ رستم سے چار کلو میٹر پر زابل اور زاہدان کے راستے پر پڑتا ہے۔ اطالوی ماہرین آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے نتیجے میں جلے ہوئے اجناس اور دوسرے آثار دستیاب ہوئے ہیں۔ ماہرین و محققینِ تمدن اس کی تاریخ چار ہزار سال قبل مسیح تک بتاتے ہیں۔

کوہ خواجہ: اس پہاڑی کے باقی بچ جانے والے آثار سیستان کے اہم ترین تاریخی آثار قدیمہ میں ہیں۔ یہ پہاڑی زابل سے تیس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کی شکل دوہری ٹھوڑی کی سی ہے اور ہامون جھیل سے گھری ہوئی ہے۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کے لئے چھوٹی سی کشتی استعمال کی جاتی ہے۔ مقامی طور پر توتن کے نام سے چھوٹی کشتیوں سے جو بانس اور گھاس پھوس سے بنائی گئی ہیں۔ کام لیا جاتا ہے۔ بانس ہی کے چپّو سے کشتی کو دھکیلا جاتا ہے۔

پہاڑی کی بلند ترین چوٹی ۶۱۲ میٹر ہے پہاڑی کی سطح یکسر ہموار اور چٹان سے بنی ہے۔ خواجہ غلطان کے نام سے ایک عابد و زاہد کا مقبرہ پہاڑی کی چوٹی پر بنا ہوا ہے۔ ہر سال سیستان کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو کر نذر و نیاز دیتی ہے اور اجتماع خصوصاً نوروز کی تقریب میں ہوتا ہے۔

پہاڑی کے سامنے قلعوں کے آثار اور کھنڈرات بھی ہیں جنہیں "کوچک چل دختر" "کوک کھزاد" اور "تخت رستم کا نام دیتے ہیں۔ کوچک چل دختر" ایک لڑکی کی یادگار ہے۔ یہ جگہ پرستش گاہ ناہید(ناہیتا؟ صحیح) بھی کہلاتی ہے۔ سیستان میں لڑکی کے لئے "کنجہ" کا لفظ مستعمل ہے۔ خیال ہے "اوشیدا" جو اوستا میں سیستان کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس سے مراد بھی کوہ خواجہ ہوگا۔ بھبٹی کے پتھر جو اس پہاڑی سے ملے ہیں۔ پوری طرح ان پتھروں سے مشابہ ہیں جو زردشتیوں کے آتشکدہ شورشک سے نکلے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ ہنجامنشی دور کے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اسپندکوہ (مقدس پہاڑ) سے مراد پہاڑی ہوگی۔ جس کا ذکر شاہنامہ میں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری آبادیوں کے آثار بھی ہیں۔ جیسے کہ شیخ علی کا ٹیلہ زابل کے مغرب میں دہ فرسنگ پر تخت شاہ جو افغانستان کی حدود میں ہیں لوگ اس کے آخری مقام کو پایۂ تخت یعقوب بھی کہتے ہیں۔

سراوان کے آثار

سراوان میں اب تک تاریخی آثار نہیں ملے ہیں۔ گشت کے گاؤں میں خاش اور سراوان کی راہ پر ۶۰ کلومیٹر پر کوہ سیاہان کے دامن میں ایک وسیع و عریض قبرستان ہے۔ جس کا تعلق قبل اسلام کے زمانوں سے ہے۔ اس کی قبروں سے نفیس خزائن و اشیاء ملی ہیں۔ ان تمام آثار میں بعد از اسلام کے زمانے کی ایک قبر ملی ہے۔ جس کی پائنتی کے لوح کے زرد رنگ پتھر کی گہرائی سے نگین پانی ابل رہا ہے۔

اس پتھر پہ خطِ نستعلیق میں نہایت خوشخطی سے ذیل کی ابیات کھدی ہوئی ہیں -

شہِ دین و دنیا علی ولی - وصی و دنی جانشین بنی
قدم ہاش بر بازوئے شد سوار - گراں بازوی شد استوار

گشت سے دیہات کے ایک گھر میں خطِ نستعلیق میں قرآن پاک ملا ہے - اسی طرح محمدی کے گاؤں میں رجو جوہ سراوان کا ایک گاؤں ہے ، ایک ٹیلے پر دو مقابر ہیں - یہ دو دانشور شعراء کی قبریں بتائی جاتی ہیں - ایک کا نام حضرت اور دوسرے کا مرشد ہے - کلگان کے گاؤں میں ایک پرانا قلعہ ہے - جس میں دو قبریں حاجی عبدالرحیم معروف بہ حاجی صاحب اور ملا موسٰی کے نام کے عارفوں کی ہیں - مقامی لوگ نہایت ادب و احترام سے ان کا نام لیتے ہیں اور ان کے مدفن پر نذر و نیاز تقسیم کرتے ہیں -

سراوان سے چار کلومیٹر پر ایک اور گاؤں و اور پناہ ہے سابق میں ایک گاؤں کا نام "ورزک" رہا ہے و اور پناہ اس کا اس لئے نام ہوا کہ ۱۳۰۰ھ میں سپہ سالار باقر خان اس علاقے کے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے اس مقام پہ شہید ہوا تھا - آخری آرام گاہ بھی اس کی اسی علاقے میں ہے - اس لئے نام تبدیل کر کے دادر پناہ رکھ دیا گیا - اسی قریہ میں ایک سنگلاخ ٹیلہ ہے - جسے یہاں کے مکین "کوہ تہرگان" کا نام دیتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ یہ گاؤں قبل از اسلام کے دور میں زردشت کے پیروکاروں کا

لہ قدیم تہران   لہ - ناھید = اناھیتا

رہا ہے۔ مخصوص ایام میں اس ٹیلے پہ آگ روشن کی جاتی تھی اور مذہبی رقص کیا جاتا تھا۔ اس ٹیلے کے دامن میں دو کلومیٹر کا ایک بڑا کھنڈر اس کی شہادت دیتا ہے کہ یہ کھنڈر کسی زمانے میں ایک بڑا یا چھوٹا شہر رہا ہوگا۔ داور پناہ تک پہونچنے سے پہلے اس راستے کے دونوں جانب جو سراوان کو ملاتا ہے۔ مٹی سے بنا ہوا ایک ٹیلہ ہے جو بہت سے قلعوں کے کھنڈرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہاں کے لوگ اس ٹیلے کو "تنگان" کا نام دیتے ہیں (بفتح اول، سکون دوم وسوم اس کے معنی ہیں خیابان جو سراوان کے لہجے میں کلمہ "تنگ" کی جمع ہے) بلا تردید کہا جاتا ہے کہ یہ آثار اس کے قدیم تمدن اور گنجان آبادی کا عہد قدیم میں اس علاقے میں گواہی دیتے ہیں۔ اس طرح موجودہ مذبح خانہ سراوان کے اطراف میں ایک سلسلہ دیوار نظر آتی ہے۔ کوہ مہرگان پر پہنچ کر اسے عبور کرتے ہوئے دوزک (اور داور پناہ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے یہ دیوار زنگیان کے علاقے تک جاتی ہے۔ ایک اور مقام پہ مٹی کا ایک اور ٹیلہ داور پناہ گاہوں میں سر کشیدہ ہے جس کے اوپر ایک قلعے کے کھنڈرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں کے لوگ اس ٹیلے کو "کوہ روباھک" کہتے ہیں۔

موجودہ داور پناہ کے نخلستان میں ایک قلعے کے کھنڈرات ملے ہیں۔ اسے خیر آباد کہتے ہیں اس علاقے کے لوگوں کا خیال ہے کہ

ملے سراوان" نشریہ شمارہ ۳ خبر گزاری" ادارہ کل اطلاعات سیستان بلوچستان ص ۱۴-۱۵

یہ آثار ہلاکو خان مغل کے زمانے کے ہیں۔ البتہ تاریخ وزیری اور ناسخ التواریخ میں ہے۔ کہ یہ قلعہ شاہزادہ ہلاکو خان میرزائی قاچار کے حکم سے تعمیر کیا گیا تھا۔ داور پناہ کے مشرق میں " کلا بلکیس'' یا قلعہ بلقیس واقع ہے اس قلعہ کے چاروں طرف ایک گہری خندق ہے اور قلعہ درمیان میں ہے۔ چکی کے نچلے پاٹ کی شکل کے بے شمار پتھر اس میں استعمال ہوئے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا وزن تقریباً پانچ ٹن ہوگا۔ یہ بھی اس کے آثار قدیمہ ہونے کی علامت ہے[1]

چاہ بہار

چاہ بہار بندرگاہ ہے۔ جس کی طرف آخری دور میں بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ اور اس کی آبادی روز افزوں ہے۔ ماضی میں اس کے جنوبی علاقوں پر پرتگالیوں کا قبضہ رہا ہے۔ اب تک بندر تیس کے آس پاس ایک اونچے ٹیلے پر دریا کے بیچوں بیچ پرتگالیوں کا قلعہ نظر آتا ہے۔ اب تیس کے قریب اس کے کھنڈرات بکھرے پڑے ہیں۔ ایک مدت تک لیویز کا چیک پوسٹ رہا ہے۔ اب خراب ہو کر متروک ہے۔

چاہ بہار کے قریب، تیس اور چاہ بہار کی سڑک کے کنارے سید غلام رسول کا مقبرہ اور گنبد ہے کہتے ہیں۔ یہ شخص پاکستان کا باشندہ تھا۔ زیارت حرمین شریفین کے مقصد سے سفر میں

---

[1] مہندس مہدی شاہی جغرافیہ اقتصادی وکشاورزی استان سیستان وبلوچستان ص ۲۷۰

تھا۔ یہاں آکر بیمار پڑ گیا اور وفات پائی۔ اپنی موت سے پہلے متوفی نے وصیت کی تھی کہ اس کی موت پر سات روز تک جشن اور رقص و سرود ہو۔ اس دن سے اب تک اس کی برسی پر لوگ یہاں جمع ہو کر رقص و سرود کا اہتمام کرتے ہیں۔

قصر قند کے علاقے میں ایک ٹیلے پر جو شہر کے وسط میں ہے۔ ایک بلند قلعہ نظر آتا ہے۔ . . . روایت کے مطابق اس کا تعلق قبل از اسلام کے زمانے میں آتش پرستوں سے رہا ہے۔ گاؤں اور دیہات کے آس پاس، قرب وجوار میں پرانے قلعے، اور تاریخی نشانات بکھرے ہوئے ہیں اب ان آثار نے ٹیلوں اور بلندیوں کا روپ دھار لیا ہے۔

ایرانشہر:

ایران شہر میں ایک قلعہ ہے۔ اس میں ملیشیا اور دوسرے انتظامی محکموں کے پوسٹ اور دفاتر رہے ہیں۔ یہ قلعہ اینٹوں اور چونا مٹی سے تعمیر ہوا ہے۔ اگر اس کی قدامت کے تاریخی آثار رہے بھی ہوں اب محو ہو چکے ہیں۔ دامن کا قلعہ جو اپنے محل و قوع کے باعث اس نام سے موسوم ہے چند ایک دیہات پر مشتمل کنارک میں دریا کے کنارے جس میں پانی تمام سال جاری رہتا ہے موجود ہے۔ قلعوں اور کھنڈروں کے باقیات بھی ایک ٹیلے پر نظر آتے ہیں۔

اسی طرح بمپور کا قلعہ ہے۔ جس کی وجہ تسمیہ اسفندیار کے بیٹے بہمن سے منسوب ہے کہتے ہیں یہ شہر پہلے بہمن پور کہلاتا تھا بعد میں بمپور کا نام اختیار کر گیا۔

لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے ۔ کہ چونکہ بمپور کا قلعہ شہرستان، بم کے قلعہ سے مشابہ ہے ۔ اس کی صورت گری متعدد وجوہ سے ہوئی ہے یہ اپنے ظاہری شکل اور شباہت کی بنا پر بمپور کہلایا بمپور کے قلعے کا نام پہلے زمانوں میں "تمپورخ" رہا بعد ازاں اسے بمپور کا نام اور لقب دیا گیا ۔ سرباز کا استوار اور مستحکم قلعہ پہاڑ کے ایک ٹیلے پر بنا ہے یہ اس دور خانِ خانی اور بدامنی کی یادگار ہے چوروں اور شرپسندوں سے حفاظت کے خیال سے پہاڑی ٹیلے پر تعمیر کیا گیا ہے ۔

خاش :

خاش میں بڑے تاریخی آثار نہیں پائے جاتے صرف چند قطار اندر قطار عمارات ہیں جو انگریزوں نے تعمیر کرائی تھیں ۔ یہ بھی اب کھنڈر میں تبدیل ہو چکی ہیں ۔ اس میں چند عمارات ہیں جن کا تعلق فوج سے تھا ۔ یہ اس زمانے کی ہیں ۔ جب یہ فوجی ہیڈ کوارٹر تھا ۔

زاہدان : یہ نیا بسایا ہوا شہر ہے جو تاریخی آثار سے تہی دامن ہے

بلوچوں کی خصوصیات

بلوچستان ایک وسیع خطہ ہے جو بہت سی خصوصیات کا حامل ہے ۔ روح فرسا گرمی جو موسم گرما میں پڑتی ہے ۔ اسے یہی سخت کوش لوگ برداشت کرتے ہیں ۔ ورنہ اکثر دوسرے لوگ اس کی تاب نہیں لا سکتے ۔

بلوچ بلند قامت، چھلے ہوئے چہرے باریک ناک، کالی آنکھوں، شفاف دانتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ بلوچ خواتین خوش قامت، دبلی پتلی، اپنے شوہر سے وفادار اور اپنے خاندان سے محبت کرتی ہیں۔ بلوچ قوم کے افراد کھلے لباس پہنتے ہیں۔ عورتیں ایسے لباس پہنتی ہیں۔ جو سادگی کے علاوہ اتنے لمبے ہیں کہ پاؤں کی ایڑھی تک چھپی رہتی ہے۔

یہ کہنا نہیں چاہیئے۔ کہ بلوچ لوگ لباس کی تراش کی اہمیت نہیں جانتے لیکن وہ اپنے لئے ایسے لباس پسند کرتے ہیں۔ جو ان کی معاشرت سے مطابقت رکھتے ہوں

بلوچ آزاد منش لوگ ہیں۔ جنگجو، دلیر، راست باز، سہز منش امین مگر کینہ ور زود خشم، صابر اور قناعت پسند۔ بلوچ غیر مقامی لوگوں کی طرح سہل انگار نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس فعال اور کارکن اگر کہیں تساہل پسندی بلوچوں میں نظر آجائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ روزمرہ ناکافی غذا کے باعث پیدا ہوئی ہوگی۔ آب و ہوا، عادات و اطوار کوئی بھی سبب ان کی اس جدوجہد میں سستی کا باعث نہیں جو بلوچستان کی اقتصادی حیثیت کی بقا و ترقی کے لئے وہ کر رہے ہیں۔

بلوچوں کی روزمرہ خوراک جس کی نہ صرف مقدار ناموزوں ہے کہ جو کی روٹی اور صرف کھجور پر موقوف ہے۔ بلاشبہ ان کے کام کرنے کی استعداد میں حائل ہے۔

بلوچ ہر چند کہ پردیسی اور اجنبی کے قائل نہیں ہیں انتہائی

مہمان نواز ہوتے ہیں اور مہمان نوازی کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ ایسی مہمان نوازی ابتدائی متمدنی زندگی میں نظر آ سکتی ہے۔ جب انسان اقتصادی گرد آوری کی مشکل ترین صورتوں سے دو چار رہا ہے یہ ان کے ہاں رسم ہے کہ مہمان اگر طائفہ کے سربراہ کے گھر وارد ہو کسی اور کو قطعی اجازت نہیں کہ وہ اسے اپنے ہاں لے جائے یا مہمان خود چھوڑ جائے۔ تاہم مہمان اگر کسی دوسرے کے گھر میں وارد ہو اور طائفہ کا سربراہ اس کی دعوت کرنا چاہے بہ امر مجبوری وہ اس دعوت کو قبول کرے گا۔ مہمان بیشک خوردونوش کے بعد الوداع کئے بغیر جب چاہے اس گھر سے جا سکتا ہے

بلوچ تملق اور خوشامد کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے جو وہ دل سے محسوس کریں زبان سے بھی اس کا اظہار کرتے ہیں۔ تعارف و الوداع کی رسم جس طرح کہ ایران کی اکثریت میں مروج ہے بلوچوں میں نہیں پائی جاتی

باب ہشتم

مقامی دستکاریاں

سیستان اور بلوچستان کے وسیع و عریض منطقے میں مرد اور عورتیں بیشتر مویشی بانی اور پیشہ زراعت میں مشغول و مصروف رہتے ہیں دیہی خواتین ضروریات زندگی کے حصول کی خاطر اپنا زیادہ تر وقت قالین بافی، گلیم بننے اور کشیدہ کاری کے علاوہ مٹی کے برتنوں پر نقش کشی میں صرف کرتی ہیں۔ بلوچستان بہت سے علاقوں کے مقابلے میں آگے نظر آتا ہے۔ جہاں کشیدہ کاری سے خواتین کا مقابلہ کرنا مقصود ہو۔ بچیاں جب سات سال کی ہو جاتی ہیں وہ اپنے لباس کی تزئین کے لئے کشیدہ کاری شروع کرتی ہیں اور جب اس ہنر کو اچھی طرح سیکھ جاتی ہیں۔ جب تک اُن کی بینائی اس کی اجازت دیتی ہے وہ اس میں لگی رہتی ہیں۔ اس ہنرمندی کے اعتبار سے بلوچستان کے جس علاقے میں بھی گذر کریں بلوچوں کی دبلی پتلی خواتین کے ملبوسات پہ کشیدہ کاری کی مختلف قسموں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ سوزن کاری

کے یہ قطعات زینت و تزئین سے بڑھ کر ایک فن ہے۔

کشیدہ کاری کی اپنی ایک الگ تاریخ ہے۔ گذرے زمانوں میں ایران شہر، چالف کے دیہاتوں اور شکیم میں ریشم کی تجارت میں مشغول رہے ہیں۔ ہنرمند خواتین ان لچھوں سے عرقچین، سرمے دانیوں کے خول، زنانہ بٹوے اور دوسری بہت سی چیزوں کو کشیدہ کاریوں سے مزین کرتی تھیں۔ خواتین کی کشیدہ کاری میں اس مہارت اور گل دوزی کے اس فن کا ریشم کی پیداوار سے تعلق ہوگا۔ تاہم چند سال پہلے تک کشیدہ کاری زنانہ ملبوس کے مختلف حصوں کو سجانے تک محدود رہی ہے۔ اس میں ریشم کے علاوہ کلابتوں کے تاروں سے بھی استفادہ کیا جاتا رہا ہے مگر اب مرکز صنعت دستکاری و وزارت اقتصادیات کی امداد اور رہنمائی سے اس فن میں تنوع پیدا ہوا ہے۔ اب اس کو وسعت ملی ہے۔ کہ روزمرہ استعمال کی اور مختلف چیزوں کشیدہ کاری ہونے لگی ہے۔ مثلاً دسترخوان، میزپوش، ٹی کوزی، کشن اور ملبوسات کی مختلف نوعیتوں کا اضافہ ہوا ہے۔ جن علاقوں میں کشیدہ کاری کو ترقی ملی ہے۔ ان کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔

زاہدان: ۱۳۴۶ء میں زاہدان میں کشیدہ کاری کے مرکز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ زاہدان کی ماہر خواتین کی نگرانی میں بہت بڑی تعداد میں بلوچ خواتین اور لڑکیاں اس میں مصروف کار ہیں۔ مگر چونکہ کشیدہ کاری کرنے والوں کی کوشش ہے کہ اپنے میلانات کے مطابق کام کریں۔ اس لئے اس مرکز سے قابل توجہ توقعات وابستہ نہیں کی جاتیں۔ زاہدان میں

کشیدہ کاری کرنے والی خواتین تعداد میں پانچ سو کے لگ بھگ ہوں گی۔ ان کی کارکردگی کا معاوضہ روزانہ تیس سے ۸۰ ریال تک ہے۔

(ب) **گشت**: گشت کا علاقہ خاش کے شہر اور کوہ سیاہان سے ایک سو آٹھ کلومیٹر ہے۔ سراوان اور خاش کے راستے میں پڑتا ہے۔ گمشادزئی قبیلہ جس کی ۱۸۵۰۰ نفوس پر تعداد مشتمل ہے۔ اور ۲۸ ذیلی شاخوں میں منقسم ہے اس علاقے میں بکھرا ہوا ہے اس علاقے کے بلوچ بالعموم کشیدہ کاری کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دستکاری کے دیگر شعبوں میں جیسا کہ پارچہ بافی، دری سازی وغیرہ میں۔ بھی باکمال ہیں۔

(ج) **ایرندگان**: خاش اور ایران شہر کے بیچوں و بیچ ایرندگان کا وسیع علاقہ ہے۔ اس علاقے کی بلوچ خواتین کشیدہ کاری میں اعلیٰ ذوق اور قابل رشک سلیقے کی مالک ہیں۔ وہ اس کام میں جس طرح اپنی مہارت اور ہنرمندی کا اظہار کرتی ہیں۔ اس کی وجہ سے بلوچستان میں کشیدہ کاری کی مفید اور دیدہ زیب صنعت فخر کر سکتی ہے

(د) **چالنف**: چالنف کے دیہی علاقے بمپور کے دائرہ اختیار کے ذیل میں آتے ہیں۔ ایران شہر سے ۱۶۵ کلومیٹر اور اسپکہ سے ۵۰ کلومیٹر پر واقع ہے۔ چالنف کے ان دیہات میں سوزیچ اور

متہ سنگ جو اس کے نواح میں ہے۔ سات سو کے قریب افراد سوزن کاری کرتے ہیں۔ یہ انواع و اقسام کے کشیدے میں ماہر ہیں۔ یہاں سے کشیدہ کاری کی اشیاء اور کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائیاں درآمد کی جاتی ہیں۔

ھ۔ **لاشار**: لاشار ایسا علاقہ ہے کہ اس کے دیہات باہم ملے ہوئے ہیں۔ جیسے ہریدوک، پیپ، جاسک، کوہیچ، و اسپکہ وغیرہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس علاقے کی خواتین اور لڑکیاں بلا استثنا کشیدہ کاری میں مہارت رکھتی ہیں۔ اسپکہ میں اوپر دیئے گئے دیہات میں سرراہ دستکاریوں کا ایک مرکز قائم ہے۔ جو کشیدہ کاروں کو پارچات دھاگہ وغیرہ فراہم کرتا ہے اور ان کی تیار کردہ چیزوں کو خرید کر تہران بھجواتا ہے۔

و۔ **مختلف علاقے**: منطقہ سیستان، خاش، ایرانشہر، چاہ بہار کو چھوڑ کر کشیدہ کاری کا بلوچستان کے تمام دیہات میں رواج ہے۔ پیداوار کے ان مراکز کے علاوہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سراوان فقرقند اور سارپوگ کے قریہ جات، قاسم آباد جو بمپور کے نواح میں ہیں۔ کشیدہ کاری کا اعلیٰ ترین اور منفعت بخش کام ہوتا ہے

کشیدہ کاری کی خرید و فروخت

کشیدہ کاری ۔۔۔ والوں کی شہری مراکز تجارت تک چونکہ

رسائی نہیں ہے۔ ان کی تیار کی ہوئی چیزوں کو دلال اکثر اونے پونے داموں خریدتے ہیں۔ یا زاہدان کے درزی اور پیراہن دوز اور تہران کے تاجران کو حاصل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں دستکاریوں کے مرکز صنعت وزارت اقتصادیات خرید و فروخت کی تبدیلی اور نرخوں کے پست و بلند کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔

سکہ دوزی:

کشیدہ کاری کے علاوہ بلوچوں میں سکہ دوزی کی آرائش بھی مروج ہے اس کے ذریعے گھروں کی آرائش اور اونٹوں کے منقش جھول بنائے جاتے ہیں۔ اور اس غرض کے لئے پہلے مناسب کپڑے کا انتخاب کیا جاتا ہے پھر اس پر زرکاری، صدف ٹانکنے اور جھوٹے موتی اور منکے اور شیشے سیئے جاتے ہیں۔ ایسے کپڑوں کے کناروں اور حاشیوں میں ان کے گچھے آویزاں کئے جاتے ہیں۔ جس سے سکہ دوزی کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے

بلوچ خواتین اون کات کر اپنے گھروں میں بچھانے کے لئے فرش و گلیم تیار کرتی ہیں۔ عموماً پردہ دار عورتیں گھروں میں بیٹھ کر یہ کام کرتی ہیں۔ تاہم بازار کے بھاؤ اور قیمتوں سے عدم واقفیت کی بنا پر وہ مجبور ہیں۔ کہ کمیشن کھانے والوں کے ذریعے اپنی مصنوعات بازار تک پہنچائیں۔ جس سے اکثر ان کے معاوضے خرد برد ہو جایا کرتے ہیں۔ دری سازی یا گلیم بافی کی کھڈیاں عموماً ابتدائی شکل میں افقی جوڑی جاتی ہیں۔ وہ گھر لانے جو پشم یا اون سے گلیم سازی

پر قدرت نہیں رکھتے۔ وہ پرانے کپڑوں کا اس کام میں استعمال کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں مصنوعات کی قدر و منزلت نہیں رہتی ہیں۔

چادر یا دسترخوان بنانا

سیستان میں چادر نشینوں کو حسب عادت ٹاٹ پر بیٹھنے والوں کا نام دیا جاتا ہے۔ مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے بالوں سے تیار کردہ ان فرش و فروش کی تیاری میں مالدار خصوصاً وہ لوگ دیہات میں جن کے پاس زرعی زمین ہے۔ گلیم بافی کی طرح دری یا ٹاٹ کی کھڈی بنائی جاتی ہے۔ بکریوں کے بالوں سے بنائے ہوئے گلیم عموماً تین قطعات کے ۵/۱ × ۵ یا ۱۰ × ۲ سائز کے ہوتے ہیں۔ انہی کھڈیوں پر یہ گلیم اونٹوں یا بکریوں کے بالوں سے بنے جاتے ہیں۔ یہ طول میں ۱۵۰ اور عرض میں ۵، سینٹی میٹر ہوتے ہیں انہیں تھیلوں کی صورت میں بھی سیا جاتا ہے۔ تاکہ آٹا یا اناج ڈالا جائے۔

نمدہ بافی: یہ مشکل ترین دستکاریوں میں سے ایک ہے۔ جو بلوچ خواتین کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ اس کے لئے بڑی مقدار میں ایسی اون استعمال کی جاتی ہے۔ جو کسی کام کی نہ ہو۔ اس کے پہلے مرحلے میں اون کی دھلائی اور رنگ ریزی کا کام ہے۔ جو مردوں کی مدد سے پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ بعد میں عورتیں ہمیشہ کی طرح پھیلاتی

اور دباتی ہیں۔ سادہ اور قسم قسم کے نمونوں کی صورت دیتی ہیں

چٹائی تیار کرنا: سیستان اور بلوچستان میں دستکاری کی ایک اور صنعت چٹائی بنانا ہے۔ مرد اور عورتیں یہ کام کرتی ہیں۔ چٹائی نہ صرف بچھانے کے لیئے بلکہ کھجور کو محفوظ کرنے اور اس سلسلے کے دیگر کام بھی چٹائی سے لیئے جاتے ہیں۔ چٹائی بنانے کے لیئے کھجور کے پتوں کو سکھا کر تیار کرتے ہیں۔ نازک ریشوں سے گلدان، کھجور رکھنے کی ٹوکریاں روٹیاں رکھنے کی چنگیر اور دستی پنکھے بناتے ہیں جبکہ لانبے اور درشت پتوں سے چٹائیاں جوال بناتے ہیں۔ تاکہ کھجور کی نقل وحمل میں آسانی رہے۔ مقامی طور پر صرف چٹائیاں ایسی صنعت ہیں۔ جن کی باہر مانگ ہے۔ ان کی اقسام کی ۵ سے دس ریال تک قیمت مل جاتی ہے۔ چٹائی کی ایک اور قسم زابل کے اطراف میں ناموں جھیل کے نارڈ سے بناتے ہیں یہ چھپر کے طور پر سایہ کے لیئے اور پردہ داری میں باڑھ کھینچنے میں کام آتی ہے۔

قالین بافی: بلوچستان میں قالین کی صنعت اتنی زیادہ نہیں تاہم سیستان میں اس کا بڑا ہی رواج ہے

مٹی کے برتن:

مٹی کے برتن بنانے کی صنعت کے ظہور کی قدیم تاریخ دس ہزار

یہ لفظ گلدان کے لیئے استعمال ہوا ہے۔

سال قبل مسیح ہے اس کے نمونے گیرشمن بختیاری کے علاقے سے ملے ہیں۔ البتہ یہ ظروف نہایت بھونڈے اور ناہموار پائے گئے ہیں۔ اس لیئے کہ انہیں ہاتھوں سے بنایا گیا ہوگا۔ یہ پکائے ہوئے بھی نہیں ہیں۔ گمان اغلب ہے کہ یہ قدیم ایران کے مقامی لوگوں نے ایران میں آریاؤں کے ورود سے پہلے بنائے ہوں۔ چھ ہزار سال قبل مسیح میں مٹی کے برتن پکانے کی بھٹیوں کا پتہ چلتا ہے۔ جو برتن اس دور کے دستیاب ہوئے ہیں وہ آتش پرستوں کے زمانے تک متداول رہے۔

بلوچستان میں مٹی کے برتن بنانے کے وسائل ابھی تک ابتدائی دور کے ہیں۔ تمام تر دیہات میں کلپورگان جو سراوان کے علاقے میں ہے۔ اس کے باشندے تقریباً ستر گھرانے مٹی کے برتن بنا کے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس کام میں مٹی کی فراہمی اور بھٹی جلانے کے لیئے لکڑیاں جمع کرنا مردوں کے ذمے ہے۔ جبکہ برتن بنانا اُن پر نقش نگار کرنے کا کام عورتیں کرتی ہیں۔ ان برتنوں میں کثرت سے مفید اور کارآمد برتن ہوتے ہیں جیسے مٹکیاں، کٹورے، دیگ، آفتابہ، خمرہ، گلدان اور انواع واقسام کے مجسمے قابل ذکر ہیں۔

باب نہم

درآمدات وبرآمدات

درآمدات وبرآمدات کے ضمن میں یہ صوبہ جیسے حوالہ جات وماخذات سے پتہ چلتا ہے کسی ادبی مورخ کے نزدیک اہمیت کی حامل نہیں رہی ہے ماسوائے مرات البلدان جس میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صنیع الدولہ مرات البلدان میں رقمطراز ہے کہ "یہاں سے تاجر لوہا، قلعئی، سیسہ، گنا، فولاد اور تانبا ہندوستان لیجاتے تھے۔ اس کے بدلے میں قند، ریشمی کپڑے، زری اور جوتے بلوچستان میں درآمد کئے جاتے تھے۔ تلواریں اور خنجر یہاں کے امتیازی نوعیت کے بنتے ہیں۔ بلوچستان کا فولاد کابل اور خراسان تک لے جایا جاتا ہے۔ سندھ کی جانب سے چینی کے برتن، تمباکو، قہوہ اور افیون بلوچستان لائی جاتی ہے"۔

صنیع الدولہ کے ان حوالوں سے کہ سیل، قلعئی اور سیسہ و فولاد ہندوستان کو بھیجی جاتی تھیں۔ میرے نزدیک حقائق کے مطابق نہیں اس لئے کہ ایسی معدنیات کے نکالے جانے کے آثار ان علاقوں میں اب تک نظر نہیں آئے کسی ایک مورخ یا مؤلف نے اقتصادی کے ضمن میں ایسا ایک بھی حوالہ اس صوبے کا نہیں دیا ہے۔ ہرچند کہ یہ صوبہ لوہا، تانبہ، کرومائیٹ سیسہ حتیٰ کہ سونے اور پیٹرول کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ افسوس کہ اس کے نکالنے کے لئے اب تک

کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔

اس علاقے میں زراعت کے ذریعے حاصل ہونے والی پیداوار میں کمی اور صنعتوں کے فقدان برآمدات بڑھانے کی راہ میں حائل ہیں چنانچہ اس صوبے کی بہت ساری ضروریات دیگر علاقوں سے پوری ہوتی ہیں۔

یہاں کے لوگوں کی ضروریات جیسے کہ ادویات ہیں، چائے، المونیم کی اشیا، بٹن، جاپانی چینی، وناسپتی گھی (اندرون بلوچستان) اجناس لوکس گرام، ریڈیو، ٹیلی وژن وغیرہ افغانستان سے اسمگل ہو کر آتی ہیں۔ یہ چیزیں پاکستان اور خلیج فارس کے شیخوں کی ریاستوں سے بھی آنے لگی ہیں۔ مشرق اور جنوب کے علاقوں کے رہنے والے بلوچ زیادہ تعداد میں اپنے قریبی ہمسایہ علاقوں میں اپنی اجناس بطور مبادلہ کام میں لاتے ہیں۔ اس علاقے کی برآمدات میں تیل کے بیج، کھجوریں، قالین اور غالیچے اور معمولی تعداد میں خواتین کی کشیدہ کاریاں مختلف علاقوں کو بھیجی جاتی ہیں اس صوبے کے ساحلی علاقوں میں مچھلی خاصی بڑی مقدار میں چاہ بہار اور دریائے عمان سے پکڑی جاتی ہے۔ مقامی مصرف میں لانے کے علاوہ پاکستان اور خلیجی ریاستوں کو اچھی قیمت پر بھجوائی جاتی ہے۔

جو اجناس کہ مرکزی اور مقامی علاقوں کی منڈیوں میں ضرورت کے مطابق تاجر سیستان کے صوبائی مرکز یا شہروں سے خریدتے ہیں اندرونی حصوں میں نقل و حمل ہوتا ہے وہ یہ اجناس دیگر کھجوریں، گیہوں، اون، مچھلی اور چٹائیاں خرید کر لوٹ آتے ہیں۔ چونکہ ایسے تاجر صاحب استطاعت ہوتے ہیں۔ وہ ان اشیا کی دوسرے لوگوں کی مدد سے تجارت کرتے ہیں اور گھر بیٹھے دو طرفہ منافع سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں

ماخذات و حوالہ جات

(۱) کتب

بہار، ملک الشعراء ۔ تاریخ سیستان، مطبوعات مشرقی
تہران ۱۳۱۴
ناصح، ذبیح اللہ ۔ بلوچستان مطبوعات ابن سینا تہران
۱۳۴۵
جہانبانی، امان اللہ ۔ بلوچستان اور اس کے علاقوں کی
کہانی ۔ بغیر ناشر ۱۳۳۸
زالیان، عبدالعظیم پاکستان، تہران، لاہور، کراچی،
کتب فروشی ۱۳۳۹
سیاح، حاج ۔ منتخب مطبوعات ابن سینا تہران
محمود، محمود ۔ تاریخ روابط سیاسی و انگلستان
۸ جلدیں شرکت نسبی اقبال طبع ثالث تہران ۱۳۴۵
ودیعی کاظم ۔ مقدمہ ای بر جغرافیائی انسانی ایران مطبوعات
تہران یونیورسٹی تہران ۱۳۴۹
صنیع الدولہ ۔ مرأت البلدان ۔ بغیر ناشر تہران ۱۲۹۴
وزیری احمد علی خان ۔ تاریخ کرمان شرکت سہامی کتب خانہ

ایران تہران ۱۳۴۰

باریزی، باستانی - یعقوب لیث صفاری مطبوعات ابن سینا
تہران - ۱۳۴۴

مخبر، علی، سرزمین ایران - مطبوعہ روزنامہ کیہان تہران ۱۳۲۷

اقبال آشتیانی عباس - تاریخ مفصل ایران مطبوعات کتب خانہ خیام، تہران ۱۳۴۸

ک۔ د۔ کمار - آریوں کے بارے میں تین باتیں۔ مسعود جب نیا (مترجم)
مطبوعہ انجمن فرہنگ ایران باستان تہران ۱۳۴۷

راوندی، مرتضٰی - تاریخ اجتماعی ایران ۳ جلدیں - مطبوعات امیر کبیر تہران طبع سوم ۱۳۵۶

برقعی، محمد - بلوچستان پر ایک نظر - مطبوعات سپید تہران ۱۳۵۲

کیہانی، مسعود جغرافیائی مفصل ایران مطبوعات ابن سینا تہران ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱

رجب نیا، مسعود سفر نامہ کلاویجو بنظر ترجمہ ونشر تہران ۱۳۳۷

فیلڈ ہنری ایران کے لوگوں کا تعارف مترجم عبداللہ فریاد، بنظر ترجمہ ونشر تہران ۱۳۴۴

کرزن، جارج مان - ایران و قضیہ ایران مترجم وحید مازندرانی بنظر ترجمہ ونشر تہران ۱۳۵۰

سائیکس - سر پرسی، سفر نامہ - مترجم حسین سعادت نوری بنظر ترجمہ نشر تہران ۱۳۴۵

مستوفی حمداللہ - نزہت القلوب - دبیر سیاقی (مترجم) مطبوعات طہوری تہران ١٣٣٦

فرمانفرما فیروز میرزا - سفرنامہ کرمان و بلوچستان و بلوچستان شرکت سہامی کتب خانہ تہران ١٣٤٢

کرمانی - محمد ناظم الاسلام - تاریخ بیداری ایرانیان مطبوعات بنیاد فرہنگ ایران تہران ١٣٤٩

سید برہان خاوند شاہ، محمد، روضۃ الصفا میر خواند - بغیر ناشر باہتمام رضا قلی خان ہدایت تہران ١٢١٠ ھ

لسترنج - جغرافیائی خلافت شرقی محمود عرفان (مترجم) تہران ١٣٣٧

اصطخری، ابو اسحق ابراہیم - المسالک و الممالک ترجمہ و نشریہ کوشش ایرج افشار - تہران ١٣٤٠

پیرنیا حسن (سابق مشیرالدولہ) تاریخ ایران باستان مجلس شرکت مطبوعات تہران جلد ٢ - ٣ - ١٣٠٧ - ١٣١٣

معین، محمد، منزلیسنا و ادب ناسی - تہران یونیورسٹی - تہران ١٣٣٨

پاول - ہرن - تاریخ مختصر ایران مترجم رضا زادہ شفق بنظر ترجمہ و نشر تہران ١٣٤٩

سپہر، محمد تقی - ناسخ التواریخ مطبوعات امیر کبیر تہران ١٣٣٧

صدین، سون، کوریہائے ایران مترجم پرویز اجبی مطبوعات توکا تہران ١٣٥٥

استرآبادی، مہدی خان تاریخ جہانگشائے نادری مطبوعات انجمن آثار ملی ١٣٤١

مصاحب، غلام حسین۔ دائرۃ المعارف فارسی مطبوعات فرنکلن جلد
اول ۱۳۴۵

دهخدا، علامہ، لغت نامہ

واٹسن، گرانٹ۔ تاریخ ایران از ابتدا قرن نوزدہم تا ۱۸۵۷
وحید، مازندرانی مترجم مطبوعات امیرکبیر تہران ۱۳۴۵
خان ملک ساسانی، محمد دست پنہان سیاستِ انگلیس در ایران۔
ہدایت تہران ۱۳۵۲

ابن حوقل صورۃ الارض مترجم ڈاکٹر شعار بنیاد فرہنگ ایران
تہران ۱۳۵۶

گنجی، محمد حسن، ۳۲ مقالۂ جغرافیائی۔ ابتدائی جغرافیائے کارٹوگرافی
سحاب تہران ۱۳۵۳

کاظمیہ، اسلام، جائے پائے اسکندر مطبوعات جاوداں تہران ۱۳۵۶
صفائی، ابراہیم، غیر مطمئن علاقہ جات۔ ادارہ کل نگارش وزارت فرہنگ
وہنر تہران ۱۳۵۲

جمہوری، مہدی عبدالرضا تاریخ روابط خارجی ایران مطبوعات امیرکبیر
تہران ۱۳۵۵

نہرو، جواہرلال۔ میری آپ بیتی
نہرو، جواہرلال۔ دنیا کی تاریخ پر ایک نظر ۳ جلد مطبوعات امیرکبیر
تہران ۱۳۵۵

راوندی، مرتضیٰ۔ تاریخ اجتماعی ایران مطبوعات ماتوس تہران ۱۳۳۰
درکاسترو، جوزف، سیاہ گرسنگی مترجم پرویز مہرگان مطبوعات

باشگاه مہرگان تہران ۱۳۴۳
دبیری، پرویز انسان موجود ناشناخته - کتب خانه تائید طبع دوم
اصفهان ۱۳۲۹
ریاحی، علی - زار و باد بلوچ - مطبوعات طہوری تہران ۲۵۳۶
جهدویان، ایرج، مقدمۂ بر جامعه شناسی بلوچ مردم بلوچستان
مطبوعات پیوند تہران ۱۳۵۲
.... گرسنگی و بیماری - مترجم احمد اخولیبی مطبوعات آموزش
بہداشت کرمان
ا - ح - آریان پور - زمینه جامعه شناسی - شرکت سہامی پیکت بکا
تہران ۱۳۴۲
پوتینجر - ہنری - سفرنامه سند و بلوچستان، مترجم شاپور گردیزی
مطبوعات دہخدا تہران ۱۳۴۹
(ب) رسائل و جرائد
مخبر محمد علی کوہ تفتان مجله یادگار ۱۳۲۷
مجله خواندنیها - دلاوران گمنام ایران شماره ۹۸ صفحه ۱۸۵ سال ۲۱
نشریه یونیسکو دو جلد ایران شہر تہران یونیورسٹی پریس تہران
۱۳۴۳
نشریه علاقه بلوچستان و بہبود وزارت تعیرات ۱۳۵۲
نشریه اطلاعات اداره سیستان و بلوچستان شماره ۳ سال ۱۳۵۳
نشریه محکمه بجلی و پانی خرداد ماه ۱۳۴۸
گذارشی اداره مالداری صوبه سیستان ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳

نقشہ ایران تاریخی تہران یونیورسٹی ۱۳۵۰
نقشہ بہبود آبادی زاہدان (جس پر دوسرے علاقوں سے توجہ زیادہ ہے)، تہران روزنامہ کیہان
نقشہ سیستان و بلوچستان زراعت روزنامہ کیہان ۳ اردی بہشت ۱۳۵۳
نقشہ سیستان و بلوچستان روزنامہ کیہان نہم آذر ماہ ۱۳۵۳
نقشہ نشان دہی آبیاری و ذخائر آبیاری سیستان۔ روزنامہ کیہان ۱۳۵۴
نقشہ آب رسانی جو سیستان کے لئے پورا کیا گیا۔ روزنامہ آئندگان ۲۳ اسفند ماہ ۱۳۵۱ وہ شہر جو کبھی "دزد آب" کے نام سے موسوم تھا روزنامہ اطلاعات تہران ۲۱ شہریور تبدیلی گذرگاہ۔ دریائے ہلمند ارگ رونق: زراعت سیستان و بلوچستان روزنامہ کیہان دوشنبہ ۲۷ اردی ماہ ۱۳۵۵
دیوان بیگی، رضا علی۔ بادپوری کرمان و بلوچستان مجلہ وحید شمارہ ۳۵۔ ۴۔ ۱۳۵۳۔
جعفری، علی اکبر، بلوچ و بلوچی۔ مجلہ سخن دور چہارم شمارہ ۸۔ ۱۳۳۲

اختتام ۲۳ ستمبر ۱۹۹۰ء